چاک دامانِ جنوں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

چاک دامانِ جنوں

مجموعہ کلام

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ایک ضروری اطلاع

اس کتاب کو ابتدائی طور پر **لبِّ لباب** کے نام سے ایک ہی جلد میں شائع کیا گیا تھا تاہم کتاب کی ضخامت کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا کہ اس کے دو حصّے کر دیئے جائیں۔

دوسرا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے اور

چاک دامانِ جنوں ﴿لبِّ لباب حصّہ دوم﴾ کے نام سے شائع کیا گیا ہے

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

گو جنوں عشق میں ہے ، ہوش ہے اتنا باقی
چاک دامن ہو اگر اُس کو سیا کرتا ہوں

زندگی کا مجھے مقصد جو سمجھ آیا ہے
تیرے بندوں سے محبّت سے ملا کرتا ہوں

کتاب : چاک دامانِ جنوں ﴿لُبِّ لباب، حصّہ دوم﴾

شاعر : ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ناشر : ڈاکٹر ریحانہ رحمٰن بٹ

سن اشاعت: ۲۰۲۱

ملنے کا پتہ : **55** Combemartin Road,

London SW18 5PP

Email: bajwauk@hotmail.com

کمپوزیشن: ثاقب محمود احمد / نابغہ طاہر باجوہ

سرورق: کاشف احمد ظفر باجوہ

انتساب

اپنے مرحوم والدین کے نام

☆- **میری والدہ رشیدہ اقبال صاحبہ**

جنہوں نے ۳۲سال کی عمر میں شہادت کا درجہ پا کر

"عزّت کی زندگی اور عزّت کی موت" کا عملی سبق دیا

☆- **میرے والدِ محترم چودھری خادم حسین اسد صاحب**

جن کے علم اور علم دوستی کے باعث میں وہ سب حاصل کر پایا جو آج میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی رضا کی جنّتوں میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ایں چشمۂ رواں کہ ’ بفضلِ خدا ‘ دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمّد است

ترتیب

تعارف لُبّ لباب

﴿چاک دامانِ جنوں لبّ۔لباب کی غزلیات پر مشتمل ہے﴾

تحریر:ڈاکٹر منوّراحمد کنڈے ٹیلفورڈ انگلینڈ

لُبّ ِلباب ، ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب کی تصنیفِ اوّل ہے جسے قاری کی سہولت اور آسانی کے لئے آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔کتاب کا انتساب دعاؤں کے ساتھ شاعر نے اپنی شہید والدہ محترمہ اور مرحوم و مغفور والد صاحب کے نام کیا ہے۔

"اپنی کہانی " کے زیرِ عنوان اظہارِ ذات میں خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ عقیدت اور ایمان وایقان کو بہت ہی سندر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اردو اور پنجابی ہر دو زبانوں میں باغِ سخن کے گل بُوٹے سجاتے ہیں۔منظومات میں روحانی بزرگوں کی شفقتوں سے قلبی محبّت و عقیدت کا بھرپور ذکر کرتے ہیں۔صبر و تقویٰ کی نورانی شکشا خیالات میں اس قدر بھرپور ہے کہ قاری کو تاریکی کہیں نظر نہیں آتی۔

خاکسار لُبِّ لباب پر ان چند حقیر سی سطور کے بعد محترم مصنّف کے لئے دست بہ دُعا ہے

"اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"   آمین!

اختتام پر ذیل میں توشیحی نظم ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب کے لئے احترام کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔۔   گر قبول افتد!

توشیحی نظم

☆ڈ۔ا۔ک۔ٹ۔ر☆ط۔ا۔ر۔ق۔☆ا۔ن۔و۔ر۔☆ب۔ا۔ج۔و۔ہ۔☆

﴿ڈاکٹر﴾

﴿ڈ﴾۔۔ ڈوبتا دیکھا اندھیرا تو چمن روشن ہوا
حضرتِ طارق کے دامن میں سخن روشن ہوا
﴿ا﴾۔۔ اختیارِ قلب سے باہر نکل آئی دعا
عرش تک پہنچی ،محبّت کی ، دلوں سے التجا
﴿ک﴾۔۔ کہکشاں احساس کی نوکِ قلم پر آگئی
یوں لگا زرّیں گھٹا قرطاس پر ہے چھا گئی
﴿ٹ﴾۔۔ ٹمٹماتے ہر ستارے کا یقیں پختہ ہوا
چاند سے نکلا محبّت کی غزل کا سلسلہ
﴿ر﴾۔۔ رنگ جو قوسِ قُزح کے ہیں سبھی نظموں میں ہیں
واہ واہی کے خزانے شعر کی رمزوں میں ہیں

﴿طارق﴾

﴿ط﴾۔۔ طرّۂ علم و ادب ہر سر پہ تو سجتا نہیں
ساز اس پُستک کے جیسا ہر جگہ بجتا نہیں

﴿ا﴾۔۔ ارتعاشِ قلب کو تسکیں ملے الفاظ سے
یہ بھی طارق نے ہے پایا فکر کی پرواز سے

﴿ر﴾۔۔ رفعتِ کہسار تک تو زاغ نہ پہنچے کبھی
جذبۂ اشعار میں پرواز ہے توحید کی

﴿ق﴾۔۔ قصۂ افکار کا مرکز فقط شیریں حروف
شوق سے تسکین پائیں جن سے مومن کے ظروف

﴿انور﴾

﴿ا﴾۔۔ ابرِ بارانِ سخن ہے مہرباں " لُبِّ لباب "
ہیں عقیدت کے ترانے اس کے اندر بے حساب

﴿ن﴾۔۔ نو بہ نو اظہار کی کلیاں چٹکتی ہیں ہزار
نظم کی خوشبو سحر کی روشنی پر ہے سوار

﴿و﴾۔۔ وقت کے لمحات نے چرچے غزل کے کر دیئے
صحبتِ نورانیت نے شب میں تارے بھر دیئے

﴿ر﴾۔۔ راز دارِ عزم و ہمّت کھولتا ہے راز کو
آسماں تک لے کے جائے وقت کے شہباز کو

﴿باجوہ﴾

﴿ب﴾۔۔ بے بدل احساس سے ہے سج رہا " لُبِّ لباب "
فکر و فن کے مست جھونکوں میں سرورِ لاجواب

﴿ا﴾۔۔ ایک بابِ آبِ زر ہے آہنی دیوار میں
دولتِ اُلفت نکل کے آ گئی شاہکار میں

﴿ج﴾۔۔ جوہرِ علم و ادب کا ایک دفتر کُھل گیا
نور کے پانی سے طارق کا قلم بھی دھُل گیا

﴿و﴾ ۔۔ وادیٔ صبر و قناعت میں محبّت کا چمن
دوریوں میں قربتیں بھرنے میں شاعر ہے مگن

﴿ہ﴾۔۔ ہادیٔ بر حق سے الفت، رحمتِ حق کا شعور
خوش نصیبی ہے غزل اور نظم پر یکساں عبور

﴿ نتیجۂ فکر : ڈاکٹر منور احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، انگلینڈ ﴾

پیش لفظ

مکرم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب

جناب ڈاکٹر طارق انور باجوہ کی سخنوری اور فن

وہ جو کسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آیا تو آخر میں تھا لیکن اس کے لئے جگہ اگلی صف میں بنا دی گئی۔ یہ بات ہمارے جنابِ ڈاکٹر طارق انور باجوہ کی شاعری پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ وہ پہلے نثر نگاری میں اپنے فن کا اظہار کرتے تھے لیکن سخنوری کے میدان میں اس شہسوارِ سُخن نے اس سال جون میں ہی اشہبِ قلم کو دوڑایا اور بڑے بڑے جغادری اور ماہر اس میدان کے گھڑ سوار متحیّر رہ گئے، کہ اس نے تو آتے ہی اپنے فنِ شاعری کی دھوم مچادی۔

میرے سامنے اس وقت ان کی کتاب لبّ ِلباب کا مسوّدہ بصورت پی ڈی ایف موجود ہے اور میں نے اس کو پڑھتے ہی محسوس کیا کہ ہمارے یہ ڈاکٹر طارق

انور باجوہ صرف طبابت میں ہی طاق نہیں، بلکہ ان کی شاعری بھی کسی صورت ادبی مرتبہ اور مقام میں نغز گوئی اور پُرکاری کے لحاظ سے کم نہیں۔ اُن کی قدرتِ کلام کو دیکھئے تو حمد، نعت، غزل، مثنوی غرض یہ کہ تمام اصنافِ سخن میں ان کی مہارتِ فن جلوہ نما ہے۔ اور شاعری میں مروّجہ اکثر بحروں اور آہنگ میں ان کی مشق اپنی ندرت اور عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان مختلف اصنافِ سخن میں ان کی طبعِ رواں کی چند امثال ملاحظہ فرمایئے۔

رہتا جمالِ تام ہے پردے میں گو نہاں
ہر شے ہے اس کا حسنِ لطافت لئے ہوئے

قدرت سے اس نے اپنی بنایا ہے جو نظام
دیکھا ہے عقل نے اسے حیرت لئے ہوئے

یہ اندازِ حمد گوئی تھا۔۔ اور اب عشقِ محمدّ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اظہار کے لئے نعت گوئی میں بھی یوں اپنا فن پیش کرتے ہیں

صدق پیشِ نظر ہوا جب سے
تیری عظمت ہوئی عیاں مجھ کو

تیرا آنا خدا کا آنا ہے
ایسا واضح ہوا بیاں مجھ کو

اپنے عصری حالات، ماحول کی تبدیلیوں اور بدلتی ہوئی اقدار سے ہمارا یہ شاعر لا تعلّق نہیں بلکہ وہ معاشرتی خرابیوں، چیرہ دستیوں کو دیکھ کر ان کو بھی موضوعِ سخن بناتا ہے اور ان کو حل کرنے کے طریقے بھی بتاتا ہے۔

ہوئی ہے جھوٹ کی یلغار آؤ مل بیٹھیں
کہیں نہ ہم پہ کرے وار آؤ مل بیٹھیں

ہوئے ہیں گُم سبھی حرص وہوائے دنیا میں
بچے ہیں کم یہاں دیں دار آؤ مل بیٹھیں

بھڑک اٹھیں نہ کہیں نفرتوں کے انگارے
ہمیشہ سب سے کریں پیار آؤ مل بیٹھیں

اپنے دور میں بڑھتی ہوئی معاشرتی تخریب اور تاریکی کو دیکھ کر ہمارے یہ شاعر مایوس نہیں ہوتے بلکہ پُر امّید ہیں۔ کہ

یوں تو اب قربانیوں کی انتہا ہونے کو ہے
پر خدا کا بابِ رحمت بھی تو وا ہونے کو ہے

پھیلتے جاتی ہے دینِ حق کی لو جو ہر گھڑی
روشنی کا اک سمندر اب دیا ہونے کو ہے

آگیا ہے اب مسیحا لے کے مرہم علم کی
جلد آؤ اب مریضوں کو شفا ہونے کو ہے

سادگی، روانی، شستگی، تخیّل کی بلندی، فنّی حسن کے لئے ضروری ہیں۔ اور شاعری کے ابلاغ کے لئے ان عناصر کا سخن میں ہونا بنیادی حیثیّت رکھتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں جنابِ طارق انور باجوہ کی شاعری میں نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔

ان کی غزل گوئی بھی انہی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ مزید بر آں حسنِ تغزّل اور تکنیکی فن، صنائع بدائع، تشبیہات، استعارے ان کی غزلوں میں جاذبیّت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کی قدرتِ کلام کا پتہ اُن کی مختلف بحروں میں کہی گئی غزلوں سے چلتا ہے کہ ان میں جدّتِ طبع اور نُدرت کس قدر موجود ہے۔

اک فسانہ لکھا ہے چہرے پر
شعر اک اَن کہا سا لگتے ہو

اپنے اندر بھی سمندر کی سی خاموشی ہے
لاکھ طغیانی ہو پر بات نہیں ہوتی ہے

حرف خوبصورت ہیں لفظ مسکراتے ہیں
چاندنی کی چھاؤں میں جب کلام کرتے ہو

چہرہ وہ پڑھ رہے ہیں کتابوں کو چھوڑ کر
ہیں امتحانِ عشق کا پرچہ لئے ہوئے

ڈاکٹر طارق انور باجوہ کی شاعری میں شرفِ انسانیّت اور انسان دوستی بھی اپنی آب و تاب سے موجود ہے وہ تصوّف کے تینوں مراحل، انسان اور خدا تعالیٰ کا رشتہ، کائنات اور انسان کا رشتہ، کائنات اور خدا کا رشتہ پر بھی کلام کرتا ہے۔

سنا ہے شہر میں کچھ اجنبی سے لوگ آئے ہیں
کہیں ان کو ہماری ہو ضرورت یہ پتہ رکھنا

مری انگلی پکڑ کر ساتھ چل تُو اب جہاں جائے
میں پیچھے رہ نہ جاؤں کھو نہ دوں رستہ اکیلے میں

طارق خدا کے نور کو تم بھی سمیٹ لو
بکھرا ہوا ہے چار سُو جو کائنات میں

ہم فجر کی دعا میں اسے ڈھونڈتے رہے
وہ پا گیا اسے جو تہجّد گزار تھا

ہیں نظاّرے اشارہ کر رہے اُس کی طرف پھر بھی
پہنچ پائیں جو اس کی ذات تک وہ دیدہ ور کم ہوں

اللہ تعالیٰ ان کے فیضان کو جاری وساری رکھّے اور ڈاکٹر صاحب کا کلام روز بروز نکھرتا رہے کہ ہر کوئی یہ کہے

وہ لفظ لب پہ جو آئے تو بن گئے جادو
وہ لہجہ دھیما سا وہ نغمگی درست لگی

خیر اندیش

پروفیسر مبارک احمد عابد

نزیل فلاڈلفیا امریکہ

بتاریخ ۳۰اکتوبر ۲۰۲۰

مکرّم عبد الکریم قدسی صاحب کی نظر میں

لبِ ّلباب کی شاعری

لبِ ّلباب کی شاعری محبّت و عقیدت اور ادب و احترام کی ابدی شاعری ہے جس کی تاثیر و اہمیّت نہ ختم ہونے والی ہے۔ ڈاکٹر طارق انور باجوہ نے حسین تجربات، احساسات و محسوسات کو جو خوبصورت شاعری کے پیکر میں ڈھالا اور تراشاہے وہ قابلِ تحسین ہے۔

لبِ ّلباب کے ساتھ حریمِ شعر میں داخل ہونے والے اس سجیلے شاعر نے اپنے پُر اعتماد اظہارِ فکر کے جو پھول جابجا بکھیرے ہیں انکی خوشبو، لہجے کی توانائی اور تازہ کاری سے پڑھنے والے یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔

عبد الکریم قدسی

USA یکم فروری 2021

پروفیسر عبدالکریم خالد صاحب کی نظر میں

لُبِّ لباب

ڈاکٹر طارق انور باجوہ کی شاعری کی عمر پچاس برس ہو گئی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں انہوں نے پہلی نظم لکھی تھی۔ تب سے اب تک یہ سلسلہ اپنی پوری آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ تاہم ان کی سُخن سرائی کے اَوج کا زمانہ اکیسویں صدی کے دوسرے دہے کا زمانہ ہے جب انہیں ایک باطنی احساس کے تحت یہ ادراک ہوا کہ اب وہ شاعری کر سکتے ہیں اور اگر اس میں کوئی کمی یا کجی ہے تو اسے غیب سے دور کر دیا جائے گا اور اللہ شاعری سکھانے کا بندوبست کر دے گا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہاں تو پالنے میں پاؤں ہوتے ہیں مگر ہاتھ میں بیاض اور دماغ عرش پر۔ مگر طارق انور باجوہ پچاس برس کی دشت نوردی کے بعد بھی ہنوز شاعری سیکھنے کی بات کرتے ہیں۔ مجھے ان کے احوال و آثار دیکھ کر ان کے تلمیذ الرّحمٰن ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے ان کے انکسار اور جذبۂ صادق کو دیکھ کر ان کے لیے بلند فکر اساتذہ کا بھی انتظام کر دیا اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ ان پر سُخن کی دیویاں غزلوں اور نظموں کے خوان لیے نہ اترتی ہوں اور وہ اسے اللہ کا احسان سمجھ کر اس کا شکر ادا نہ کرتے ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب " لُبِّ لباب " اسی احسان کا ثمرہ ہے۔ کتاب کے آغاز میں انہوں نے "اپنی کہانی" میں اپنے شعری سفر کی رُوداد بیان کر دی ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ شاعری سے انہیں فطری مناسبت ہے، عمدہ شاعری غم کی کوکھ میں پلتی ہے اور یہ اسی پر مہربان ہوتی ہے جو غم کی گود میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور غم کی گمبھیرتا اس کے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ اسی غم نے طارق انور باجوہ کی شاعری کو حُسن بخشا ہے اور اسے تاب و توانائی عطا کی ہے۔ وہ حمد کہہ رہے ہوں یا نعت لکھ رہے ہوں یا کوئی اور مضمون شعر میں باندھ رہے ہوں، غم کا بیش و کم احساس جُوئے نم دیدہ کی طرح ہر شعر میں رواں نظر آتا ہے۔

زیادہ عرصہ نہیں ہوا، انہوں نے سورۂ رحمٰن کا منظوم ترجمہ کیا۔ قرآنِ پاک کی آیات اور مختلف سورتوں کے جستہ جستہ تراجم میری نگاہ میں ہیں۔ میرے دوست عبد العزیز خالد اور احمد عقیل روبی نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا، لیکن طارق انور باجوہ نے جس طور سورۂ رحمٰن کو نظمیہ پیرائے میں ترجمہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس پر جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ مثنوی کی ہیئت میں اس ترجمے کا ایک ایک شعر قابلِ توجہ ہے اور قرآنِ پاک کی اصل روح کے عین مطابق ہے۔ اس ترجمے کے بعد تو طارق انور باجوہ باقاعدہ تلمیذ الرّحمٰن ہو گئے ہیں۔

ان سطور کے لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوگئی۔ میں طارق انور باجوہ کی شاعری پر ایک مفصّل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ زندگی رہی تو یہ کارِ خیر بھی

ان شاءاللہ سر انجام دوں گا۔

طارق انور باجوہ کے لئے بہت دعائیں

خاکسار

عبدالکریم خالد

صدر شعبۂ اردو

یونیورسٹی آف ایجوکیشن

لوئر مال کیمپس لاہور

۹ فروری ۲۰۲۱ء

مکرّم اسحاق ساجد صاحب کی نظر میں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب کی نظموں اور غزلوں میں سچّے جذبے، کیفیّتیں اور احساسات حیرت انگیز طور پر اثر پذیری کے اظہار کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ایسی سادگی اور اثر انگیزی خال خال نظر آتی ہے۔ وہ ایک پختہ کار شاعر ہیں اور اپنی شاعری کے اعتبار سے محتاجِ تعارف نہیں۔

طارق باجوہ صاحب نے اپنی شاعری کا تانابانا اپنے اردگرد کے منظرنامے سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے ان کی مثال ایسے پرندے کی سی ہے جسے ہر لمحہ نئے موسم کی جستجو رہتی ہے۔ میں نے ان کی شاعری کا مطالعہ بہت گہرائی میں جا کر کیا ہے اور یہ تأثر اپنی جگہ قائم کیا ہے کہ ان کا ہر شعر ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ ہے اور اس میں پرواز کی طاقت بھی ہے اور اثر انداز ہونے کی قدرت بھی۔

اچھی شاعری کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اس میں احتجاج تو ہو مگر لب و لہجہ تند و تیز نہ ہو اور ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب کی شاعری میں یہ مثال ملتی ہے۔
خدا تعالٰی ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب کو صحت و سلامتی سے رکھے۔ آمین

اسحاق ساجد جرمنی

۱۲۔اکتوبر ۲۰۲۰

مہمان بن کے آئے تھے رہنے کو چار دن
اب زندگی کی دیکھئے ہونے لگی ہے شام

رونق جہانِ دل کی فقط تیرے دم سے ہے
تیرے بغیر جاناں یہ دنیا ہے ناتمام

غزلیات

آج کچھ دلربا سا لگتے ہو

آج کُچھ دلرُبا سا لگتے ہو
سچ کہوں ، پارسا سا لگتے ہو

ایک مدّت کے بعد آئے ہو
آشنا ، آشنا سا لگتے ہو

اک فسانہ لکھا ہے چہرے پہ
شعر اک ان کہا سا لگتے ہو

ایسا دلکش کلام کرتے ہو
نغمۂ جاں فزا سا لگتے ہو

جیسے گلشن کا پھول ہو کوئی
خوشنُما خوشنما سا لگتے ہو

تم سے ملنے میں اتنی دیر ہوئی
لمحہ صبر آزما سا لگتے ہو

دیکھ پایا تمھیں جو غصّے میں
آتشیں زلزلہ سا لگتے ہو

جان حق پر نثار کرتے ہو
اُس گھڑی کربلا سا لگتے ہو

نرم ہو دل کے ، یوں تو ہیرا ہو
اور تراشا ہوا سا لگتے ہو

جیسے کوئی دعا قبول ہوئی
اک عجب معجزہ سا لگتے ہو

کوئی نیکی کہیں ہوئی ہو گی
تم مجسّم جزا سا لگتے ہو

آپ ہی ہو گئے مسیحا تم
جیسے مرہم ، دوا سا ، لگتے ہو

جانے کیوں آج تُم ذرا چُپ ہو
کُچھ ہُوا سانحہ سا لگتے ہو

بد گُمانی نہیں کوئی طارق
آدمی تُم بھلا سا لگتے ہو

گرچہ ہمیں عزیز بہت کاروبار تھا

گرچہ ہمیں عزیز بہت کاروبار تھا
پر اس سے دُور رہنا بھی تو ناگوار تھا

اُمّید اس سے رکھتے تو ہو جاتے سارے کام
جنّت اسے ملے گی جو اُمّیدوار تھا

سیکھے تھے ہم نے راز کب اونچی اُڑان کے
وہ تھا کہ ساتھ لے کے اڑا بار بار تھا

اگلے جہان کی بھی ہم ، دیکھیں گے نعمتیں
جو بھی ملا یہاں وہ بہت شان دار تھا

کیسے چھپا کے رکھتے ہم اپنے خلوص کو
شہ رگ کے پاس ہی تو وہ پروردگار تھا

گرچہ نہ پا سکے کبھی ہم قربِ خاص کو
کوشش تو کی پہ راستہ مُشکل گزار تھا

ہم پا پیادہ چل دئے تھے کارواں کے ساتھ
جانا کہ میرِ کارواں تو شہ سوار تھا

ہم کو بھی ناز تھا بڑا خود اپنے پیار پر
پھر یہ پتہ چلا کہ وہ ہم پر نثار تھا

ہم فجر کی دُعا میں اُسے مانگتے رہے
وہ پا گیا اسے جو تہجّد گزار تھا

بس میں یہ گردشِ حالات نہیں ہوتی ہے

بس میں یہ گردشِ حالات نہیں ہوتی ہے
ضبط اب گرمیٔ جذبات نہیں ہوتی ہے

میں کسی ایسے خدا کو بھلا کیونکر مانوں
سامنے آتا نہیں ، بات نہیں ہوتی ہے

مجھ کو اب صبح کے اجالوں میں ہی چلنا ہو گا
بیٹھ کر دن میں تو اب رات نہیں ہوتی ہے

میرے خوابوں میں اسی وقت چلے آتے ہو تم
جب ذرا دیر ملاقات نہیں ہوتی ہے

اپنے اندر بھی سمندر کی سی خاموشی ہے
لاکھ طغیانی ہو پر بات نہیں ہوتی ہے

میں اُڑا جاتا ہوں طوفان میں بادل کی طرح
آگ پر پانی کی برسات نہیں ہوتی ہے

زندگی شمع ہے پگھلی ہوئی قطرہ قطرہ
اب جو باقی ہے ، وہ سوغات نہیں ہوتی ہے

نام بھی اس کا اگر لوں ، تو بہت شور اُٹھے
خامُشی ، سُن کے یہ حالات ، نہیں ہوتی ہے

سامنا دل کا تو کر لیتا ہوں جیسے تیسے
روح کو اپنی کبھی مات ، نہیں ہوتی ہے

چھوڑ کراس کو کہیں اور پتہ کیوں ڈھونڈوں
مجھ سے پل بھر وہ جُدا ذات ، نہیں ہوتی ہے

اس سے ملنے تو چلا جاتا ہوں ہر روز مگر
روز پابندئ اوقات نہیں ہوتی ہے

اب وہ خود ہی کہے ، طارق ! تری مرضی کیا ہے
اب کوئی اور مناجات نہیں ہوتی ہے

تری قربت کی کوشش بندگی معلوم ہوتی ہے

تری قُربت کی کوشش ، بندگی معلوم ہوتی ہے
وصالِ یار میں ہی زندگی معلوم ہوتی ہے

جو گزرے ایک لمحہ بھی ، تری یادوں سے دُوری میں
مُجھے ایسی گھڑی میں بے کلی معلوم ہوتی ہے

تغزّل ہو ، تبسّم ہو ، ترے آنے کی خوشبو ہو
مرا یوں چونک جانا ، عاشقی معلوم ہوتی ہے

ہوئی روشن ترے دم سے مرے افکار کی دُنیا
وگرنہ سوچ کی ساری کجی معلوم ہوتی ہے

رواں دُنیا ، ہیں گردش میں سبھی افلاک کے باسی
ٹھہر جاؤں اگر میں ، سر کشی معلوم ہوتی ہے

مُجھے تو امتحاں لگتی ہے ساری زندگی پیارے
اسے یہ زندگی کیوں دل لگی معلوم ہوتی ہے

غمِ ہجراں ، شبِ تاریک ہے اور میری تنہائی
یہ سجدہ ریز ہونے کی گھڑی معلوم ہوتی ہے

بہاروں میں خزاں کے پھول کب تک کھلتے رہتے ہیں
جو شبنم ہے گُلوں پر عارضی معلوم ہوتی ہے

تجھے طارق کہاں تک زندگی نے آزمانا ہے
کہ اب جاتی تری افسردگی معلوم ہوتی ہے

تو کرے عشق جسے اک وہی کامل ٹھہرا

تُو کرے عشق جسے ، اک وہی کامل ٹھہرا
تیرا چہرہ بھی اسی حسن کا حامل ٹھہرا

میں کسی بزم کی رونق کا سبب کیا بنتا
تجھ کو پایا ہے جہاں میں وہیں شامل ٹھہرا

یوں تو صیّاد اسیری کے بہانے ڈھونڈے
صید یاں دام میں آنے پہ ہے مائل ٹھہرا

چشمِ مست اس کی پلاتی رہی آنکھوں سے شراب
دیکھنا اس کا فقط ، نشّے کا حامل ٹھہرا

بانٹنے میں تو گیا اس کے دکھوں کو لیکن
مجھ سے بڑھ کر وہ مرے درد میں شامل ٹھہرا

زندگی روز نئے رنگ دکھاتی ہے مجھے
ہر نئے روز نیا چہرہ مقابل ٹھہرا

اب تو لاکھوں نے مسیحا سے شفا پائی ہے
چارہ گر ورنہ تھا ، بیمار کا قاتل ٹھہرا

طارق اب اور کہانی نہ سناؤ سب کو
ہاں یہ بتلاؤ کہ عاشق ہی تھا عاقل ٹھہرا

جہاں میں ہم کہیں رہیں ہماری آب و تاب ہو

جہاں میں ہم کہیں رہیں ، ہماری آب و تاب ہو
چمن میں ہر طرف ہوں گل ، وہیں پہ وہ گلاب ہو

محبّتوں کی سرزمیں ہے ہر جگہ یہ دل کہے
کہیں وہ آفتاب ہو ، کہیں وہ ماہ تاب ہو

ملیں ہمیں رفاقتیں ، ہیں شفقتیں ، عنایتیں
اسی کے در سے لاجرم ، جو خود ہی لاجواب ہو

کہانیاں سنی تھیں ہم نے عشق کی ، وصال کی
یہاں تو اس کا وصل ہی ہمارا انتخاب ہو

ہیں آشیاں اجڑ گئے ، کہ پنچھیوں نے راہ لی
مرے وطن کی ہر گلی میں یوں لگے عذاب ہو

ستم رسیدہ سب ہوئے ہیں کام کیا کرے کوئی
کہ شَیب کیا کرے وہاں ، جہاں زیاں شباب ہو

پڑھا تھا تم نے جو سبق محبّتوں کا عشق کا
کہیں اسے بُھلا کے ہی نہ زندگی خراب ہو

خدا کرے کہ پھر سے تم کو راحتیں نصیب ہوں
تمہیں ہدایتیں ملیں ، جو رہنما کتاب ہو

طبیب وہ ملے تمہیں جو درد کی دوا کرے
وہ زخم مندمل کرے ، تمہارا ہم رکاب ہو

چلے بھی آؤ میکدے ، تمہارے غم بھی دور ہوں
کھڑا جو حوض پر ملے ، پلا رہا شراب ہو

سجودِ شُکر کر رہا ہے طارق اب تو خوش ہوا
اسے جو تُو نے کہہ دیا ، تمہارا کیا حساب ہو

حق سمجھ کر بات کہنے کی جسارت رہ گئی

حق سمجھ کر بات کہنے کی جسارت رہ گئی
زندگی کی زندگی میں کچھ حرارت رہ گئی

اب ملاقاتوں کے دن آتے ہیں تھوڑا صبر کر
یہ پیام آیا ہے ، اب کے بھی زیارت رہ گئی

گو فرشتوں نے کیا تحریر سب نامہ مرا
خامشی سے درد سہنے کی عبارت رہ گئی

اس نے دیکھی جب مری کم مائیگی اتنا ہوا
جاتے جاتے اس کی آنکھوں میں شرارت رہ گئی

اس کی خاطر دُکھ اُٹھایا جس نے پائے گا نجات
کون کہتا ہے کوئی محنت اکارت رہ گئی

دشمنوں نے آج تک توڑا نہیں ہے حوصلہ
امتحاں لینے کو باقی کیا مہارت رہ گئی

طارق اتنی بات کو لے کر بھلا بیٹھے ہو کیوں
پورا ہونے کو تو جنّت کی بشارت رہ گئی

عمر گزری ہمیں اس بات کا عرفاں ہوتے

عمر گزری ہمیں اس بات کا عرفاں ہوتے
فِکرِ دُنیا رہی کیونکر ترے ، رحماں ہوتے

ہم وفا کرنے کا وعدہ ہی اگر کر پاتے
ہم کہیں اور نہ جاتے ترے مہماں ہوتے

صبر کرنا تو ہمیشہ تھی ہماری عادت
پُورے اُس نے بھی کئے ظلم کے ارماں ہوتے

ہجر میں ہم نے گزاری ہیں جو مشکل گھڑیاں
تُو جو ہوتا تو کئی درد کے درماں ہوتے

آرزو اتنی رہی دل میں بُلاتے تجھ کو
تُو جو آتا تو مسرّت کے بھی ساماں ہوتے

کُچھ نہ کچھ تیری محبت کا اثر تو ہو گا
ورنہ بے ساختہ یوں لوگ نہ قُرباں ہوتے

طارق اب اور کہیں ڈھونڈ ٹھکانہ اپنا
بھیڑ میں رہ کے نہیں سوچ میں غلطاں ہوتے

تم سوال کرتے ہو کیسا کام کرتے ہو

تم سوال کرتے ہو کیسا کام کرتے ہو
زندگی تمہاری ہے میرے نام کرتے ہو

وصل کی جو دعوت ہے ، ہجر کی تڑپ بھی ہے
حسن جب دکھاتے ہو ، عشق عام کرتے ہو

زندگی سفر میں ہے ، راستہ بھی مُشکل ہے
ہر قدم حساب اس پر ، صبح شام کرتے ہو

خوف دل پہ طاری ہے ، ہر طرف اندھیرا ہے
جگنوؤں کا ایسے میں ، اہتمام کرتے ہو

رونقیں ہوں ، محفل میں ، یا ہو میری تنہائی
یاد میں مری آ کر ، پھر قیام کرتے ہو

حرف خوبصورت ہیں ، لفظ مسکراتے ہیں
چاندنی کی چھاؤں میں ، جب کلام کرتے ہو

عشق جیت جاتا ہے ، عقل محوِ حیرت ہے
آگہی کی دُنیا میں ، جب سلام کرتے ہو

مجھ سے دُور ہو کر بھی ، میرے پاس ہوتے ہو
یہ عجب کرشمہ بھی ، تُم مدام کرتے ہو

یوں تو مان جاتے ہو ، اپنی ٹھان لو تو پھر
اس کو کر گزرنے کا ، انتظام کرتے ہو

شرمسار رہتا ہے ، جب سے تم نے پوچھا ہے
تم بتاؤ طارق جو ، کہہ رہے ہو ، کرتے ہو؟

دلوں میں نفرتیں بھر کے جو کاروبار کرے

دلوں میں نفرتیں بھر کے جو کاروبار کرے
تو کیسے ہو گا ، وہ حالات سازگار کرے

گلی گلی میں محبّت کا میری چرچا ہے
یہ شکوہ اس کو ہے مجھ سے نہ کوئی پیار کرے

عجب زمانے نے دستور یہ بنایا ہے
جو سچ کہے اسے ملزم وہ بار بار کرے

جنوں میں کہتے رہے وہ حکایتیں اپنی
سنے تو کوئی خرد کا نہ اعتبار کرے

ابھی تو دور بہت دور مجھ کو جانا ہے
اسے یہ کہہ دو وہ میرا نہ انتظار کرے

وہ صاف لفظوں میں کہہ دے مجھے محبت ہے
یوں بات بات پہ غصّہ نہ آشکار کرے

بہار آ گئی گلشن میں پھول کھلتے ہیں
خزاں کے پتّوں پہ کوئی نہ انحصار کرے

عجیب بات ہے کہ معتبر وہی ٹھہرے
کہ بات جو بھی کرے جھوٹ شاہکار کرے

یہ وقت جانے کا اب تو ارادہ رکھتا ہے
ملے گا درد اسے بھی جو دل فِگار کرے

یہ خواہشیں تری ، اک دن تو رنگ لائیں گی
کہ طارق اب تو کوئی باغ میں بہار کرے

جب تلک پیچھا کیا اس کا خرابوں کی طرح

جب تلک پیچھا کیا اس کا خرابوں کی طرح
بھاگتی مجھ سے رہی دُنیا سرابوں کی طرح

زندگی تجھ سے بھلا شکوہ کوئی کیسے کرے
تُو نے جتنا بھی دیا ساتھ حُبابوں کی طرح

تھے ارادے تو جواں رہنے کے پر بس نہ چلا
پر لگا کر جو اُڑا وقت عُقابوں کی طرح

ڈھونڈ لاؤ وہ مسیحا جو کہ اچھا کر دے
زخمِ دل کرب میں رکھتا ہے عذابوں کی طرح

کیا بھلا ہوتی شفا، مجھ کو جو نسخہ تھا ملا
میں اسے پڑھتا رہا اور کتابوں کی طرح

غرق سوچوں میں رہا میں وہ بُرا ہے یا بھلا
سامنے میرے رہا وہ تو شرابوں کی طرح

میں نے مخلوق کی یہ سوچ کے خدمت کی ہے
تا وہ مل جائے کسی روز ثوابوں کی طرح

رات کے پچھلے پہر اس سے سوالی جو ہوا
سامنے پایا اُسے فوری جوابوں کی طرح

طارق اب اس کے تصوّر میں گزرتا دن ہے
رات آ جاتا ہے جو نیند میں خوابوں کی طرح

اس پہ ظاہر نہ ہوا اپنا ملال اچھا ہے

اُس پہ ظاہر نہ ہوا اپنا ملال اچھا ہے
ہم یہی کہتے رہے اس سے کہ حال اچھا ہے

آسماں تکتے ہوئے ایک زمانہ گزرا
اب کے برسا ہے جو ساون تو یہ سال اچھا ہے

لوگ بڑھ چڑھ کے یہاں لاکھ خزانے لُوٹیں
ہم لُٹا دیتے ہیں اُس پر وہ جو مال اچھا ہے

جلوۂ حُسن نگاہوں کو جو خیرہ کر دے
منزلِ عشق دِکھائے تو جمال اچھا ہے

میکدے میں کوئی جائے تو پلائے ساقی
خود چلا آئے وہ گھر پر تو وصال اچھا ہے

حشر کے روز بتائیں گے ، کہ کیا کیا نہ کیا
ہم وہاں جو بھی کر آئے ہیں کمال ، اچھا ہے

روز کہتے تھے ہمیں آئیں گے ملنے اک دن
پھر جو پوچھا تو کہا اتنا سوال اچھا ہے

وہ جو چڑھتے ہیں بلندی پہ وہی گرتے ہیں
ہاں عروج ایسا ، نہ ہو جس پہ زوال اچھا ہے

طارق اُس بزم میں جاتے ہو تو کچھ ایسا کرو
اُس کو آ جائے ہمارا جو خیال اچھا ہے

کہاں کہاں پہ وفا کا نگر تلاش کیا

کہاں کہاں پہ وفا کا نگر تلاش کیا
ارے یہ راز تو صحرا نے ہم پہ فاش کیا

وفا کا تھا یہ صلہ ، عرش تک صدا پہنچی
زمیں نے قدموں میں پیاسے کے دل خراش کیا

دکھایا راستہ اس نے جو اپنی قربت کا
وہیں کے ہو گئے اس رہ کو بودو باش کیا

جو اک نظر کے لئے دیکھنے کی خواہش کی
تو کوہِ طور کو جلوے نے پاش پاش کیا

میں زندہ ہو گیا پا کر اسے قریب اتنا
مجھے فراق نے اُس کے تھا جیسے لاش کیا

یہ کیا کیا اُس نے کہ بس مری خاطر
بدن ستاروں کا ہی اس نے قاش کیا

کھڑے رہو گے تو آساں سفر کہاں طارق
جو چل پڑے ہو تو کیوں حوصلہ نراش کیا

تمہیں آواز دیتی ہے کہیں بلبل چلے آؤ

تمہیں آواز دیتی ہے کہیں بلبل چلے آؤ
بہار آئی چمن میں سب کھِلے ہیں گُل چلے آؤ

قفس میں قید ہیں جو ان سے کیا امید رکھتے ہم
تمہارے راستے جیسے ہی جائیں کُھل چلے آؤ

بدلتے موسموں میں کم یقیں ہوتا ہے بارش کا
مگر ایسی جھڑی میں بھیگ کر بالکُل چلے آؤ

بڑے عرصے سے وہ ہم سے عجب پُر خاش رکھتے ہیں
ہمیں اپنا بنانے پر گئے ہیں تُل چلے آؤ

انہیں امّید ہے شاید کہیں خوابوں میں آ جاؤ
تبھی سونے سے پہلے پڑھ رہے ہیں قُل چلے آؤ

ابھی محفل میں رونق ہے ابھی رقصاں ہیں پروانے
ہیں جب تک ہم یہاں مشعل نہ ہو گی گُل چلے آؤ

طبیعت آجکل اپنی ذرا نالاں سی رہتی ہے
تمہارے آتے آتے ہو نہ جائیں قُل چلے آؤ

انہیں طارق تمہیں ملنا گوارا ہو گیا کیسے
وہ اب تعریف کے باندھے ہوئے ہیں پل چلے آؤ

کبھی تنہائی میں یہ سوچ کر آنکھیں اگر نم ہوں

کبھی تنہائی میں یہ سوچ کر آنکھیں اگر نم ہوں
ہے کتنا مہرباں رحماں خُدا ، تو دور سب غم ہوں

ہیں نظّارے ، اشارہ کر رہے اس کی طرف پھر بھی
پہنچ پائیں جو اس کی ذات تک وہ دیدہ ور کم ہوں

اگر راہِ محبّت میں ہیں کانٹے ، پھول بھی تو ہیں
یہاں خوش خبریاں لے کرفرشتے ساتھ ہر دم ہوں

فراقِ یار میں شب بھر بہائے تُو نے جو آنسو
چمن میں چار سُو کھِلتے ہوئے پھولوں پہ شبنم ہوں

اگر حُسنِ جمالِ یار کا دیدار آساں ہو
تو پتھر طُور کے، جلوے سے اک ، مٹّی میں کیوں ضم ہوں

ادا ہم شکر اس کی نعمتوں کا کر نہیں سکتے
جبینیں اپنی اس کے سامنے ہر آن گو خم ہوں

گزاری ہم نے غفلت میں ، کہا اس نے ہمیں طارق
جھجھکنا چھوڑ بھی دو جب تمھارے سامنے ہم ہوں

فرصت ملی ہے کب مجھے اب تک پڑے ہیں کام

فرصت ملی ہے کب مجھے اب تک پڑے ہیں کام
کیسے کہوں کہ کر دیا سب کچھ اسی کے نام

باقی ہیں وہ جو اوروں کے پُرسانِ حال ہیں
ساقی نے سب کے بھر دیے خالی ہے میرا جام

جاؤ خدا کے نور کو حاصل کیا کرو
اس شخص سے جو دل کو منوّر کرے مدام

مہمان بن کے آئے تھے رہنے کو چار دن
اب زندگی کی دیکھئے ہونے لگی ہے شام

رونق جہانِ دل کی فقط تیرے دم سے ہے
تیرے بغیر جاناں یہ دنیا ہے ناتمام

میری سنیں تو رات اندھیرے میں کاٹیئے
مشعل کا اس کے ذکر سے کیجے گا اہتمام

طارق ہیں اس نگر میں سبھی آشنا ہوئے
اب ایسا یار ڈھونڈ ، کہ ہو جائیں سارے کام

پہلو میں آ کے بیٹھ مری احتیاج دیکھ

پہلو میں آ کے بیٹھ مری احتیاج دیکھ
حائل ہے راستے میں جو ظالم سماج دیکھ

قدرت کے کارخانے میں بکھرے ہوئے ہیں رنگ
رنگوں سے تُو دھنک میں بھرا امتزاج دیکھ

خوشیاں جو لے کے پھرتے ہیں چہرے پہ ہر گھڑی
ان کے دلوں کے غم کا بھی کوئی علاج دیکھ

گھر کی صفائی کرتے ہیں مہمان آئیں تو
دل کی صفائی کا بھی کہیں ہے رواج دیکھ

منزل کی ہے تلاش تو رہبر کے ساتھ چل
ہاں ساتھ کوئی چلتا رہے کام کاج دیکھ

کشتی میں بیٹھ کر تجھے دریا سے تھا گلِا
طوفان لے کے آئی ہیں لہریں جو ، آج دیکھ

طارق وہ بادشاہ ہوا ہے ایسا مہرباں
جھکتے کلاہ کے لئے ہیں تخت و تاج دیکھ

ہماری بات بھی ان کو کبھی درست لگی

ہماری بات بھی ان کو کبھی درست لگی
عجب ہوا وہ کہانی سبھی درست لگی

وہ بات کہنا جو چاہی مگر میں کہہ نہ سکا
مری یہ بات ہی ان کو ابھی درست لگی

کہا جو آپ نے بالکل وہ سب درست سہی
مگر وہ بات جو دل نے کہی درست لگی

حسین چہرے تو ہر خاص و عام دیکھتا ہے
نگاہِ شوق جو دل پر پڑی درست لگی

وہ لفظ لب پہ جو آئے تو بن گئے جادو
وہ لہجہ دھیما سا وہ نغمگی درست لگی

کہی جو بات تو کانوں میں رس وہ گھول گئی
جو اس نے روک لی اپنی ہنسی درست لگی

تمام عمر جسے ہم نے دلرُبا جانا
تو پھر اسی کی ہمیں پیروی درست لگی

اسی کے ہو گئے ہم جس پہ دل لُٹا بیٹھے
کوئی نہ اور ہمیں دل لگی درست لگی

تُو کامیاب ہوا ، لوگ بن سنور آئے
کہ طارق آج تری سادگی درست لگی

اپنا یہاں قیام نہیں حادثات میں

اپنا یہاں قیام نہیں حادثات میں
ہو گا ہمارا ذکر کہیں واقعات میں

مہماں بنا کے بھیجے گئے تھے یہاں پہ ہم
جائیں گے اب حساب لئے ، واجبات میں

سب کچھ بھلا کے بیٹھے ہیں ، دُنیا میں ہو کے گُم
کرتے تھے وہ جو یاد ہمیں بات بات میں

کیسے کہیں کہ گردشِ دوراں نے کیا کیا
لمحہ کوئی بھی کٹتا نہیں یاں ثبات میں

ملنے کا وعدہ تھا تِرا ، رکھی تھی آس بھی
لکھا ہوا دکھاؤں گا ، میں کاغذات میں

ٹھہری وہ رات قدر کی جب جب بھی ہم ملے
اب کے تو آ گئے یہاں وہ چاند رات میں

طارق خدا کے نور کو تم بھی سمیٹ لو
بکھرا ہوا ہے چار سُو جو کائنات میں

مجھے پا کر ، کبھی روتا کبھی ہنستا اکیلے میں

مجھے پا کر ،کبھی روتا کبھی ہنستا اکیلے میں
سمجھ لینا ، نہ کوئی رازِ سر بستہ اکیلے میں

کبھی تو اپنی حالت پر مجھے حیرت سی ہوتی ہے
کہ میں ہوں وہ ، نہیں تھا جس کا دل لگتا اکیلے میں

مری انگلی پکڑ کر ساتھ چل تُو اب جہاں جائے
میں پیچھے رہ نہ جاؤں کھو نہ دوں رستہ اکیلے میں

یہ دُنیا یوں تو اپنی قید میں بہلا کے رکھتی ہے
نہیں میں یاد کو تیری بھُلا سکتا اکیلے میں

شہیدانِ وفا ہوں یا اسیرانِ رہِ مولٰی
ہمیشہ ہی میں ان پر رشک کرتا ہوں اکیلے میں

رضا کا یہ مقام آخر کو قربانی سے ملتا ہے
زمیں پر ورنہ اسمٰعیل کیوں گِرتا اکیلے میں

اگر طارق سے ملنا ہو یہیں پر وہ کہیں ہو گا
ملے شاید ترا ہی نام وہ جپتا اکیلے میں

دیکھو مرا کلام نہ حسرت لئے ہوئے

دیکھو مرا کلام نہ حسرت لئے ہوئے
ہے لفظ لفظ درد کی لذّت لئے ہوئے

وہ خوش ہوئے نصیب ہمارے سنور گئے
ہم جی رہے تھے صبر کا پیالہ پیئے ہوئے

جن کے لئے کیا تھا گریباں کو چاک وہ
خود آ گئے ہیں اب یہاں دامن سئے ہوئے

چہرہ وہ پڑھ رہے ہیں کتابوں کو چھوڑ کر
ہیں امتحانِ عشق کا پرچہ لئے ہوئے

بجلی کے قمقموں سے تو روشن ہوا جہاں
دل میں وہ آئے میرے تو روشن دئے ہوئے

ہر زندگی کے موڑ پہ سیکھے سبق نئے
بیٹھے ہیں اب تو حشر کا ساماں لئے ہوئے

میں نے تو انتظار میں جیون بِتا دیا
آئے ہیں اب وہ قبر تک کاندھا دئے ہوئے

اب تک کٹی ہے عشق میں طارق یہ زندگی
باقی بھی ہم گزاریں گے چاہت کئے ہوئے

آئینہ جو بھی ملا گھر میں ، شکستہ نکلا

آئینہ جو بھی ملا گھر میں شکستہ نکلا
دیکھ کر اپنی ہی صورت کو وہ ہنستا نکلا

ہم تو دم بھر کو چلے آئے تھے ساتھ اس کو لئے
ہم جہاں پہنچے وہ مے خانے کا رستہ نکلا

آج عرفان کی بارش جو ہوئی سب نے کہا
ہم نے جب اور بھی دیکھا وہی یکتا نکلا

ظلمتیں نور سے ٹکرا کے ہی دم توڑیں گی
جو بھی آتا ہے ازل سے یہی کہتا نکلا

کون روکے جو مقدّر میں ہو غالب ہونا
وہ تو اک سیلِ رواں جیسے ہو بڑھتا نکلا

لوگ بے تاب ہوئے گلیوں میں پھرتے کیوں ہیں
کیا کوئی شہر میں دم غیر کا بھرتا نکلا

ہم نے جاں دے کے محبت کی اماں پائی ہے
جو کیا ہم نے وہ سودا بڑا سستا نکلا

میرے خوابوں میں چلا آیا وہ مہماں بن کر
راہ میں آنکھیں بچھائیں تو وہ چلتا نکلا

طارق اس شہر کے لوگوں کے مسائل کیا ہیں
ہم نے جس شخص کو دیکھا وہی ڈرتا نکلا

ذہن ہر روز دریچہ جو نیا کھولتا ہے

ذہن ہر روز دریچہ جو نیا کھولتا ہے
قصہؑ گوشہؑ ماضی بھی کبھی بولتا ہے

تیری یادوں میں جو کھویا ہوں تو محسوس ہوا
شہد باتوں کا تری کانوں میں رس گھولتا ہے

یوں مجھے تیری محبّت کا نشہ رہتا ہے
تُو مرے سامنے آ جائے تو دل ڈولتا ہے

تم نے مُجھ سے سرِ بازار جو اقرار کیا
وہ تو اک راز تھا یوں کون اسے کھولتا ہے

تم نے کیا وار کیا اس پہ کہ گھائل ہو کر
اب تو دُشمن بھی محبّت کی زباں بولتا ہے

شاید آ جائے تُو گھر پر مرا مہماں ہو کر
آج منڈیر پہ کوّا تو بہت بولتا ہے

طارق اس عشق کا قائل نہ سہی دل پھر بھی
کیوں یہ گھبراتا ہے جب اڑنے کو پر تولتا ہے

نہیں یہ زیب دیتا غیر کو دل میں بٹھا رکھنا

نہیں یہ زیب دیتا غیر کو دل میں بٹھا رکھنا
تجھے گر دیکھنے ہوں خواب آنکھوں کو کھلا رکھنا

یہی رسم و روایت ہے یہی دستور ہے شاید
بڑے لوگوں سے ملنا ہو تو دروازہ بڑا رکھنا

ہمارے ساتھ وابستہ رہو گے تو بھلا ہو گا
جہاں میں ہم کہیں جائیں مسلسل رابطہ رکھنا

سنا ہے شہر میں کچھ اجنبی سے لوگ آئے ہیں
کہیں ان کو ہماری ہو ضرورت یہ پتہ رکھنا

صنم خانوں کے بت بھی اب اشاروں میں یہ کہتے ہیں
ہمارا کیا بھروسہ اب نہ ہم پر آسرا رکھنا

عجب ہے یہ چلے جانا اکیلے ہی سفر پر تو
ٹھہرنا ہو اگر تو ساتھ کوئی رہنما رکھنا

بڑے دعوے سے کہتے ہو چلو گے دُور تک طارق
ہمارے ساتھ چلنے کو بڑا اب حوصلہ رکھنا

محبت کے لئے کس کو بہانے کی ضرورت ہے

محبت کے لئے کس کو بہانے کی ضرورت ہے
کہیں دل پر ذرا سی چوٹ کھانے کی ضرورت ہے

چلے جائیں اگر محفل میں ساقی جام لے آئے
ہمیں تو میکدے تک صرف جانے کی ضرورت ہے

ذرا پہلے بہت ہنگامہ آرائی تھی سڑکوں پر
مگر اب وہ سکوں ہے ہیر گانے کی ضرورت ہے

مقدّر میں تڑپنا ہی اگر لکھا ہے تڑپیں گے
مگر اس کے لئے بھی تیر کھانے کی ضرورت

زمانے نے بہت بدلا ہے اندازِ پذیرائی
ہمیں اب اس پہ اپنا حق جتانے کی ضرورت ہے

بس اپنے گھر میں بیٹھو ، اب یہی احباب کہتے ہیں
نہ آنے کی ضرورت ہے نہ جانے کی ضرورت ہے

ہماری حاجتیں پوری کرے گا خود ہی وہ دلبر
ہمیں طارِق خدا سے لو لگانے کی ضرورت ہے

کچھ اس ادا سے بات کو بڑھائیے نا آپ

کچھ اس ادا سے بات کو بڑھائیے نا آپ
سب کچھ ہمیں بھی کھول کے سمجھائیے نا آپ

محصور ہو کے رہ گئے تھے ان کی چاہ میں
آئے ہیں ان کے گھر سے مان جائیے نا آپ

ہیں بدعمل مگر گماں ہے جنّتوں میں ہیں
کرتے ہیں آپ کیا یہی فرمائیے نا آپ

سنتے ہیں ان کی مجلسوں کی لوگ داد دیں
پھر ان کی محفلوں میں کبھی آیئے نا آپ

پہنائے جاتے ہیں بھلا کیوں جیتنے پہ ہار
دل جیت جائیں ایسے ہار جایئے نا آپ

طارق کو اتّفاق سے صحبت وہی ملی
اس سے تو بھید پیار کا کچھ پایئے نا آپ

وہ دیکھنے میں صاحبِ حسن و جمال ہیں

وہ دیکھنے میں صاحبِ حسن و جمال ہیں
سیرت کو دیکھئے تو بڑے با کمال ہیں

گر زائچے میں ڈال کے دیکھیں تو بانصیب
مخلص ہیں مہربان ہیں اور خوش خصال ہیں

محفل میں کھل کے بات جو ان سے نہ ہو سکی
آئے ہیں آج کہتے ہیں روشن خیال ہیں

کہنے کو وہ بھی ہم پہ فدا جان و دل سے ہیں
کہتے ہیں پر عقیدے بدلنا محال ہیں

مجنوں ہوا تھا قیس تو لیلیٰ کو دیکھ کر
یاں بام و در پہ جا بجا آشفتہ حال ہیں

کس کو کہاں مسیحا پکارا کرے کوئی
اپنے مریض خود یہاں پُر سانِ حال ہیں

دنیا کو اور رستے پہ ہم لے کے چل پڑیں
پر جس کو دیکھیں اس کے یہاں مست حال ہیں

ہم آگئے ہیں صبح کا مژدہ لئے ہوئے
وہ رات کے ہی خواب میں اب تک نہال ہیں

طارق انہیں جگا کے کہو اٹھو اب چلیں
خُلدِ بریں کی نعمتیں ہی لازوال ہیں

اپنی محبّتوں کا اکرام سُن کے آؤ

اپنی محبّتوں کا اکرام سن کے آؤ
میری شکایتوں کا الزام سن کے آؤ

اس زندگی کے نغمے آواز دے رہے ہیں
کیا کیا ملا یہاں پر انعام سن کے آؤ

قاصد کو جو دیا تھا پیغام ہی نہ پہنچا
ہم ہو گئے ہیں کتنے بدنام سُن کے آؤ

دوڑا لئے بہت اب کاغذ کے ہم نے گھوڑے
اب آپ ہم سے ملنے اِرقام سن کے آؤ

ہم نے یہ کب کہا تھا آسان ہے سفر یہ
ان پتھروں پہ اپنے اِقدام سن کے آؤ

بت خانے جا رہے ہیں ہم ڈھونڈنے صنم کو
ہم نے سنے جو ، اَب تک دُشنام سن کے آؤ

مدّت ہوئی کہ تم سے ہے راہ و رسم اپنی
دل میں جو رہ گئے ہیں اِبہام سن کے آؤ

وعدہ کیا تھا تم نے اک روز ہم ملیں گے
آؤ تو اس بہانے پیغام سن کے آؤ

طارق خرد سے پرکھا ہے تم نے عشق کو اب
ہوتے ہیں روز دل پر الہام سن کے آؤ

کب خرد پاسباں ہوتی ہے

کب خرد پاسبان ہوتی ہے
زندگی مہربان ہوتی ہے

وہ جو دل کھول کر سناتا ہے
شاعری کی زبان ہوتی ہے

جس پہ سجدہ کیا ہو عاشق نے
وہ زمیں آسمان ہوتی ہے

ہم بھی گزریں گے بے خطر ہو کر
عاشقی امتحان ہوتی ہے

کوئی بڑھ کر ہوا کا ساتھ تو دے
دوستی بادبان ہوتی ہے

اس سے جب بھی ملے ہیں ہم یارو
پاس اک داستان ہوتی ہے

نام لب پر کسی کا آ جائے
اس کی کچھ اور شان ہوتی ہے

لوگ کہتے ہیں جب نماز پڑھیں
کتنی جلدی اذان ہوتی ہے

آئے کچھ دیر کو یہاں طارق
اک نئی آن بان ہوتی ہے

چلا ہوں گھر سے تو آوارگی بھی ساتھ چلی

چلا ہوں گھر سے تو آوارگی بھی ساتھ چلی
مجھے لگا مری بے چارگی بھی ساتھ چلی

خرد جنوں کے مقابل تو بارہا آئی
ہوا جو فیصلہ دیوانگی بھی ساتھ چلی

میں پہروں بیٹھ کے سوچا کیا تجھے لیکن
شناسا جب ہوا بیگانگی بھی ساتھ چلی

گلوں پہ آنسو بہائے ہیں رات شبنم نے
چمن میں پھیلی ہوئی تازگی بھی ساتھ چلی

کسی کی چاہتیں پیغام دے گئیں مجھ کو
گئے جو تم مری افسردگی بھی ساتھ چلی

میں تیری یاد میں اکثر ہوا ہوں خود سے جُدا
جہاں گیا تری وابستگی بھی ساتھ چلی

ہوا ہوں پاک نگاہوں میں اپنی جب طارق
مرے گناہوں کی شرمندگی بھی ساتھ چلی

کون لوٹائے گا وہ لمحے نہ جانے میرے

کون لوٹائے گا وہ لمحے نہ جانے میرے
دوست آ جاتے تھے جب درد بٹانے میرے

یاد آ جاتے ہیں اب بھی کبھی گزرے دن وہ
جب زباں زد ہوا کرتے تھے ترانے میرے

وحشتوں نے کبھی آ کر جو پریشان کیا
صاف کہہ دوں گا نہیں وقت پرانے میرے

آ گیا ہو کے جو بیمار کبھی الفت میں
بیٹھ کر روتا رہا وہ بھی سرہانے میرے

وہ مرے ساتھ رہا مجھ پہ بھروسہ نہ کیا
راس آئے نہ مجھے روز بہانے میرے

وہ جو رُوٹھا ہے تو پھر اس کو منانے کے لئے
کام آئے نہ کوئی لفظ خزانے میرے

تُو تو آیا نہیں پُر سے کو جو میں گھر سے چلا
لوگ آئے تھے مگر، دل کو جلانے میرے

میں جو بیگانہ ہوا تیرے خیالوں سے کبھی
یاد آئی ہے تِری قرض چکانے میرے

آ گئے تم جو مری چشمِ تخیّل میں کبھی
خواب پھر ہو گئے سارے ہی سُہانے میرے

طارق اب تیرے بنِا رہ نہیں سکتا پل بھر
چھوڑ دے اب تو مجھے زخم دکھانے میرے

نگاہِ شوق سے اثبات ہو نہیں پائی

نگاہِ شوق سے اثبات ہو نہیں پائی
مری خودی کو ابھی مات ہو نہیں پائی

وہ میرے شہر میں اترا تو خوب چرچا ہوا
گئے تو ہم بھی ملاقات ہو نہیں پائی

اگرچہ ابر گھٹا بن کے چھا گئے ہر سُو
مرے چمن میں تو برسات ہو نہیں پائی

زمانہ یاد تو رکھتا ہے اپنے مجرم کو
مگر ابھی تو مکافات ہو نہیں پائی

کبھی قریب سے گزرو تو یاد کر لینا
گلی جو شہر کی دیہات ہو نہیں پائی

وفا کے قصّے سنے ہیں جو حوصلے کے لئے
کہانی حصّۂ جذبات ہو نہیں پائی

اگرچہ ساتھ رہے ہم کئی حوالوں سے
ہماری ان سے کوئی بات ہو نہیں پائی

میں شہر شہر سے لایا تھا یاد تحفے میں
جو آئی گھر سے وہ سوغات ہو نہیں پائی

نہیں ہے کوئی بھی شکوہ ملا نہ وہ مجھ سے
کہ طارق اپنی یہ اوقات ہو نہیں پائی

جو اپنے ہاتھ سے میں نے کلام لکھا تھا

جو اپنے ہاتھ سے میں نے کلام لکھا تھا
بڑے ہی پیار سے اس میں سلام لکھا تھا

پرانے کاغذوں میں وہ کہیں پڑا ہو گا
وہ خط جو میں نے کبھی تیرے نام لکھا تھا

جنوں کے رنگِ محبّت کی روشنائی میں
جو دل پہ گزری وہ سارا پیام لکھا تھا

ہیں زندگی کا اثاثہ مرا وہی کچھ دن
کہ تیرے در پہ جو میرا قیام لکھا تھا

نصیب اس کے ہمیشہ ہوئے ہیں تابندہ
کہ تیرے سامنے جس کا مقام لکھا تھا

کبھی جو آئے تصوّر میں وہ حسیں لمحے
وہ ہوں گی خواہشیں پوری تمام لکھا تھا

میں طارق ایسے جیا ہوں کہ جاں لُٹا کر بھی
اسی کے نام پہ جینا مدام لکھا تھا

کچھ ہم سے دوستوں کو شکایت ہوئی ہے کیا

کچھ ہم سے دوستوں کو شکایت ہوئی ہے کیا
اب اور کوئی نظرِ عنایت ہوئی ہے کیا

حسنِ بیاں میں بڑھ گئے وہ اپنی ذات سے
اب کے تو پیش اک نئی آیت ہوئی ہے کیا

الزام دے رہے تھے ہمیں بات بات پر
ان کی بھی اب کہیں سے حمایت ہوئی ہے کیا

کہنے کو وہ بڑے ہی روا دار ہیں مگر
ہم سے کبھی ذرا بھی رعایت ہوئی ہے کیا

ان کو نہیں ہے وقت ملا سوچنے کا بھی
آج آ گئے ہیں گھر سے ہدایت ہوئی ہے کیا

جب بھوک سے برا ہوا ہو حال دوستو
لُقموں سے چند اس کی کفایت ہوئی ہے کیا

چشمِ فسوں کے دام میں ہم آ گئے تو کیا
شہرت پذیر یہ بھی حکایت ہوئی ہے کیا

کیا کیا وہ ڈھونڈ پائے ہیں ہم میں خرابیاں
اس پر بھی بات درجۂ غایت ہوئی ہے کیا

ظلمت سے نور کی طرف آؤ مگر تمہیں
ایمان سے نصیب ولایت ہوئی ہے کی

وہ جو بلا رہا ہے تمہیں اتنے پیار سے
اس کی محبّتوں کی نہایت ہوئی ہے کیا

ہجرت کے بعد اس کے قریب اور آ گئے
یہ بھی پیمبروں کی روایت ہوئی ہے کیا

طارق جو معجزاتِ دُعا کے ہو دعویدار
تم میں بھی اس کی روح سرایت ہوئی ہے کیا

ظاہر وہ یوں جمال تو پہلے نہیں ہوا

ظاہر وہ یوں جمال تو پہلے نہیں ہوا
جی اس طرح نہال تو پہلے نہیں ہوا

آتی ہیں غیب سے جو زباں پر حکایتیں
اتنا بڑا کمال تو پہلے نہیں ہوا

ہم بھی رہے ہیں اپنی طبیعت میں صاف گو
پوشیدہ اپنا حال تو پہلے نہیں ہوا

مدّت ہوئی ہے اس سے تعلّق ہوا مجھے
ملنا اسے محال تو پہلے نہیں ہوا

عرصہ ہوا ہے در پہ اس کے آ گئے تھے ہم
وہ باعثِ ملال تو پہلے نہیں ہوا

گو کاروبارِ زندگی معمول پر نہیں
جینا یہاں محال تو پہلے نہیں ہوا

گھڑیاں بھی گو لگیں مجھے اس کے بغیر دن
دن ہفتہ ماہ و سال تو پہلے نہیں ہوا

ہیں اس قدر جو دل ہوئے اس پر نثار یوں
اب کے ہوا جو حال وہ پہلے نہیں ہوا

جاں دے دیں لوگ اس کے اشارے پہ وہ مگر
کچھ باعثِ قتال تو پہلے نہیں ہوا

گو ہم نہ جیت پائے کبھی دوڑ وقت سے
وقت ایسا لا زوال تو پہلے نہیں ہوا

طارق کو کیوں کہو کہ وہ پابندِ نظم ہے
وہ ایسا بے مثال تو پہلے نہیں ہوا

❀❀❀

شہزادیاں ہیں گھر کی مرے ، میری بیٹیاں

شہزادیاں ہیں گھر کی مرے میری بیٹیاں
اک بیٹی اک بہو مری پوتی نواسیاں

جس گھر میں ہوں یہ رونقیں بستی وہاں پہ ہیں
جب روٹھ جائیں ہوتی ہیں ویران بستیاں

والد کی چاہتوں پہ کریں ناز اک طرف
چپکے سے دیکھ کر ہنسیں ماں کی چہیتیاں

رُخصت ہوں گھر سے پھر بھی تو رہتی ہیں دل میں یہ
ان کے بغیر گھر لگے اجڑی ہیں کھیتیاں

جی چاہتا ہے پھر سے وہ آ جائیں گھر میں پر
جاتی ہیں جب جلا کے یہ جاتی ہیں کشتیاں

مہمان بن کے رہتی ہیں میکے جو آئیں پھر
اور بالخصوص ان دنوں جب ساتھ ہوں میاں

یہ مسکراہٹیں لئے پھرتی ہیں ہر طرف
دُکھ اپنے ہونے دیں نہ یہ ماں باپ پر عیاں

عورت کا روپ خوب ہے بیوی ہے یا بہن
پر ماں کے پاؤں میں ملیں جنّت کی چابیاں

طارق خدا کی نعمتیں ہوتی ہیں بیٹیاں
جنّت کی بھی نوید ہیں یہ شاہزادیاں

تجھ کو الفت سے عداوت ہی سہی

تُجھ کو الفت سے عداوت ہی سہی
کچھ مروّت کی اجازت ہی سہی

تیری خاطر جو گزاری میں نے
زندگی اپنی شہادت ہی سہی

غور کرنا جو نہیں ہے تو مری سن تو لے
گفتگو میری کرامت ہی سہی

مدرسے میں تو ہے جا کر ملتی
مفت جو آئے جہالت ہی سہی

غیر کے در پہ تو جا سکتے نہیں
ہو گئے تیرے ، فراست ہی سہی

ہم تو دل کب کا تجھے دے بیٹھے
اب جو کہتے ہو عبادت ہی سہی

وہ جو ملنے مرے گھر آ پہنچے
اس بہانے سے عیادت ہی سہی

دو گھڑی کو یہاں جو آئے ہیں
دو گھڑی کی یہ رفاقت ہی سہی

مجھ پہ انصاف کا احسان کرے
کُفر پر اس کی سیاست ہی سہی

آنکھ یونہی تو بھر نہیں آتی
بھیگنے کی اسے عادت ہی سہی

طارق اس شہر میں ہجرت کر کے
مل گئی ہے جو سعادت ہی سہی

ہماری تو یہی خواہش رہی وہ رام ہو جائے

ہماری تو یہی خواہش رہی وہ رام ہو جائے
کہیں پہلے نہ اس سے زندگی کی شام ہو جائے

چمن والوں نے مل کر خود کو خوشبو سے سنوارا ہے
مرے محبوب کا شاید وہ رستہ عام ہو جائے

اسی امیّد پہ بیٹھے اسی کے در پہ رہتے ہیں
ہمیں کچھ آسرا ہو گا ہمارا کام ہو جائے

تمنّائیں ہمیشہ سے مرے دل نے بھی پالی ہیں
وہ آئے صبح بیٹھے ساتھ ایسے شام ہو جائے

کبھی آکر مرے پیچھے وہ چپکے سے مجھے کہہ دے
میں کب سے سوچتا تھا شب تمہارے نام ہو جائے

مرا اغیار سے شکوہ بجا ہے بے وفائی کا
مگر اپنوں سے بھی اب تو گلہ ہر گام ہو جائے

محبّت نے بُوئے گل کو نکھارا ہے مگر بلبل
صدا دیتی ہے اب بھی عاشقی ناکام ہو جائے

یہیں طارق ابھی تک میکدے میں رات ڈھلتی ہے
میاں بیٹھے رہو کچھ دیر اور اک جام ہو جائے

اس کا ضمیر لفظ کے سانچوں میں ڈھل گیا

اس کا ضمیر لفظ کے سانچوں میں ڈھل گیا
کہنے گیا تھا جھوٹ ،منہ سے سچ نکل گیا

شیطان حُسن اوڑھ کے آیا تھا بار بار
پڑھ کر کتاب عشق کی میں بھی سنبھل گیا

لمبی اندھیری رات میں تارے نہ رہ سکے
نکلا جو چاند پھر تو نہیں ایک پل گیا

ہم نے تو سر اُٹھا کے یوں دیکھا نہ تھا کبھی
اس پر نظر پڑی تو جیسے دل مچل گیا

کچھ ہم سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی
اس کے بھی کچھ مزاج کا موسم بدل گیا

اتنی کڑی تھی دھوپ مرے سر پہ ہجر کی
سایہ بھی ساتھ چھوڑ کے پہلو میں جل گیا

بارش تھی کب سے آنکھ کے اندر تھمی ہوئی
دیکھا تجھے تو ضبط کا تختہ پھسل گیا

دیکھا نہ ہم نے کوئی بھی ٹھہرا جہان میں
جس کو بلُاوہ آ گیا وہ سر کے بل گیا

طارق ترے بغیر بھی ہے کارواں رواں
دنیا کا کام کونسا ہے جو کہ ٹل گیا

ساگر سے چونچ بھر کے نوادِر نکالئے

ساگر سے چونچ بھر کے نوادِر نکالئے
کچھ آپ بھی جواہرِ قادِر نکالئے

کہتے ہیں اس سے پہلے بھی ہوتی رہی تلاش
عالَم میں جو چھپے ہیں عناصر نکالئے

قرآن کی زبان تو لا ریب سہل ہے
کچھ آپ بھی زبان کے ماہر نکالئے

ہیں کون سے سوال کئے آپ نے کہ ہم
جن کے جواب سے رہے قاصر ، نکالئے

مشہور اک زمانے میں ہے آپ کی ادا
جب پھنس گئے تو فتویٰ کافر نکالئے

کوئی تو بات ہو گی جو پوری نہیں ہوئی
تاریخ کر رہی ہے جو ظاہر ، نکالئے

ہم تو پہنچ گئے ہیں عصا ہاتھ میں لئے
جو سانپ لائے آپ کے ساحرِ ، نکالئے

ہم سے نہ جیت پائیں گے میدان میں کبھی
جو ہم سے کھیل پائیں وہ شاطر نکالئے

ہم ظلم سہہ کے آپ کے ، دیتے رہے دعا
ہم جیسا اور بھی کوئی صابِر نکالئے

طارق دلیل تو کوئی مانیں گے یہ نہیں
آیت کوئی ، تسلّی کی خاطِر ، نکالئے

عشق میں جو بھی ملیں رسوائیاں

عشق میں جو بھی ملیں رسوائیاں
ہیں کسی کے حسن کی رعنائیاں

کس قدر چہرے پہ اس کے نور ہے
پاس آ سکتی نہیں پر چھائیاں

جیسے جیسے اس کا گھر آئے قریب
آ رہی ہیں ہر قدم چڑھائیاں

ہر کوئی اپنی ہی دُھن میں مست ہے
کیسے ہوں گی دور پھر تنہائیاں

شمعِ محفل روتے روتے سو گئی
یاد آتی ہیں اسے شہنائیاں

مثلِ مُردہ ہم رہے برسوں مگر
زندگی لیتی ہے اب انگڑائیاں

سُن مری باتیں ذرا اب غور سے
پھر تجھے شاید ملیں گہرائیاں

طارق اب آزاد ہو کر گیت گا
کب تجھے پابندیاں راس آئیاں

پلکیں بوجھل نیناں جل تھل بھیگا آنچل یاد کریں

پلکیں بوجھل ، نیناں جل تھل ، بھیگا آنچل یاد کریں
سُندر تن من کردے بیکل ، سانس کی ہَل چَل یاد کریں

یخ بستہ راتوں میں اس کے لمس کی گرمی ایسی تھی
پانی پانی کر گئے جو وہ غفلت کے پل یاد کریں

پیچ بھنور کے ، ناؤ ندی کی لہروں کا تو ساتھ نہ دے
جھیل کے ٹھہرے پانی میں ہم طاقت کا بل یاد کریں

ہجر کے مارے عاشق پل پل ، ایسی ٹھنڈی آہ بھریں
یعنی آگ لگی ہے دِل میں ، برسے بادَل یاد کریں

مور پپیہا میٹھا بولے ، تب من کو کچھ چین ملے
باغ میں کوئل کُوک بھرے تو ، سُونا جنگل یاد کریں

اس سنسار میں رہتے رہتے گھڑیاں لمحے بیت گئے
کوئی نہ دیکھا واپس آتے ، جاتے مقتَل یاد کریں

پنچھی جب ، گھر سے نکلیں کب ، سارے واپس آتے ہیں
اُڑتے دیکھیں اپنے ساتھی ، قید میں ہر پل یاد کریں

جب طوفان کی زد میں ہیں تو کیوں نہ لنگر ڈال ہی دیں
لہروں کی بے چینی میں ہم ، ساحل پل پل یاد کریں

ہیں اکرم وہ عاجز دِل جو ڈر کر جُھک کر ، رہتے ہیں
طارق ، اشرف افضل کو یہ پیار میں پاگل یاد کریں

مرے دُکھوں سے اسے کوئی واسطہ ہی نہیں

مرے دُکھوں سے اسے کوئی واسطہ ہی نہیں
کہ ایک عرصہ ہوا مجھ سے رابطہ ہی نہیں

میں اشک یاد میں اس کی بہا تو لوں لیکن
سمندروں کو تو ساحل کا کچھ پتہ ہی نہیں

فراقِ یار مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے
مگر یہ درد کبھی اس کو کاٹتا ہی نہیں

نہ جانے کونسے احساں کا اس نے ذکر کیا
کوئی حساب کبھی میں تو مانگتا ہی نہیں

جنونِ عشق میں سودا کیا ہے جو میں نے
یہ کیسا دل ہے خرد کی جو مانتا ہی نہیں

کسی کی چشمِ حسیں نے ہے یہ پیام دیا
نہ ہو بصیر جو وہ نُور یافتہ ہی نہیں

میں کیسے عدل کے عنواں پہ اس سے بات کروں
کہ اس کی زندگی میں کوئی ضابطہ ہی نہیں

سکون ڈھونڈنے نکلو تو آز مانا اُسے
جو اس کا ہو وہ کوئی فکر جانتا ہی نہیں

اسی جہان میں طارق حساب جاری ہے
کہ جس حساب سے دل تیرا کانپتا ہی نہیں

کیا نہ اس سے یہ التجا کرتے

کیا نہ اس سے یہ التجا کرتے
ہو اجازت اگر ملا کرتے

اس سے مل کر بچھڑ ہی جانا تھا
اس سے ملنے کی کیوں دعا کرتے

تھا تو مشکل وہ راستہ لیکن
ہم بھی اس کو ہی رہنما کرتے

دیکھ لینا نصیب جاگیں گے
عمر گزری ہے آسرا کرتے

شب کی گہرائی میں ہے تاریکی
وصل کی شب اسے دیا کرتے

زندگی تیرے بِن ادھوُری ہے
کاش وہ بھی کبھی کہا کرتے

ہجر آنکھوں میں بس گیا ورنہ
انہی آنکھوں میں وہ رہا کرتے

اس کی خاطر یہ جاں لُٹا دیتے
طارق اتنی تو ہم وفا کرتے

کچھ آج زندگی میں ارادہ کیا ہے کیا

کچھ آج زندگی میں ارادہ کیا ہے کیا
بس اس کی بندگی کا ہی وعدہ کیا ہے کیا

تم کو جنونِ عشق نے دیوانہ کیا کیا
تم نے بھی چاک اپنا لبادہ کیا ہے کیا

اس کی عداوتوں کا جو کرتے ہو تذکرہ
اس کی محبّتوں کا اعادہ کیا ہے کیا

دُکھ جھیلنے کا تم کو سلیقہ نہیں اگر
اس نے بھی ظلم آج زیادہ کیا ہی کیا

تم نے لگا دئے ہیں صفائی میں اتنے دن
تیّار خاص طور پہ جادہ کیا ہے کیا

کچھ بھی نہیں جو بادہ و ساغر کا اہتمام
اتنا ہی بود و باش کو سادہ کیا ہے کیا

ہم تنگ راہ پر بھی چلے آتے شوق سے
کچھ دل کا راستہ بھی کُشادہ کیا ہے کیا

آنکھوں میں ہم بٹھا کے تمہیں لائے تھے کبھی
تم نے سفر یہ سارا پیادہ کیا ہے کیا

کچھ بڑھ رہے ہیں غیظ و غضب میں جناب جو
کچھ ہم سے رُوٹھنے کا ارادہ کیا ہے کیا

کچھ آج رنگ روپ میں نکھرے ہوئے سے ہو
اُس نے قریب آنے کا وعدہ کیا ہے کیا

طارق تمہاری بات میں اتنی مٹھاس ہے
تم نے بھی اس غزل سے افادہ کیا ہے کیا

بے خودی میں جو ترنّم سے رواں ہوتی ہے

بے خودی میں جو ترنّم سے رواں ہوتی ہے
ایسی شیریں تو محبّت کی زباں ہوتی ہے

وہ جو آنکھوں سے پلائے تو نشّہ آتا ہے
گرتے پروانے ہیں کیوں شمع جہاں ہوتی ہے

گفتگو اُن سے کیا کرتا ہوں میں خوابوں میں
روبرو آتے ہیں جب بات کہاں ہوتی ہے

جاتے جاتے جو کبھی ان کی نظر مجھ پہ پڑے
ان کی نظروں میں محبّت ہی نہاں ہوتی ہے

دیر ہو جائے کبھی ان سے ملاقات کو جب
ان کی باتوں سے شکایت سی عیاں ہوتی ہے

گرچہ دریا بھی چلا آئے کبھی صحرا میں
دور کب تشنگی بارش کے بناں ہوتی ہے

آج پھر کان میں آواز نئی آئی ہے
ہم تو جانے کو ہیں اب کیسی اذاں ہوتی ہے

آپ کو ڈھونڈ لیا اور کسی رشتے سے
ورنہ اس شہر میں رشتوں کی دکاں ہوتی ہے

طارق اب اور کہیں چل کے کہیں اپنی غزل
شاعری نثر کی صورت میں یہاں ہوتی ہے

مجھے دور ہی سے نہ بہلا سکو گے

مجھے دور ہی سے نہ بہلا سکو گے
کبھی سامنے کیا نہ بُلوا سکو گے

بہت دوسروں کو کیا خُم نے گھائل
نگاہوں سے اپنی نہ تڑپا سکو گے

کہاں تک چھپاؤ گے اندر کی حالت
ہے صورت عیاں جو نہ بدلا سکو گے

بہت دنیا والوں کو دھوکے دئے ہیں
مجھے دے کے دھوکا نہ الجھا سکو گے

بہت سُن چکا ہوں تمہاری یہ باتیں
کبھی ایسے مجھ کو نہ بہلا سکو گے

مجھے دیکھ کر رنگ چہرے کا بدلے
کبھی ایسے پھر تو نہ شرما سکو گے

مجھے کھول کر دل ، بتائی جو باتیں
کسی کو کبھی یوں نہ بتلا سکو گے

ہوئے دل سے قائل ہیں جب سے تمہارے
ہوئی تیز دھڑکن نہ ٹھہرا سکو گے

تمہارے بنا اب نہیں ہے گزارہ
چلے آؤ اب تو نہ ترسا سکو گے

محبّت ہماری بنی جو فسانہ
کہانی پہ اپنی نہ اِترا سکو گے

تمہارے لئے شعر ساری غزل کے
جو لکّھے ہیں میں نے نہ سمجھا سکو گے

محبّت کا مارا ہے طارق بچارا
اسے زندگی کیا نہ لوٹا سکو گے

❁❁❁

معصوم سے چہروں کا سکوں کہتا رہے گا

معصوم سے چہروں کا سکوں کہتا رہے گا
کب تک یہ مرے شہر میں خوں بہتا رہے گا

آزادئ فطرت سے رہی جنگ ہماری
کیا بندہ تِرا ظلم یوں ہی سہتا رہے گا

کیا آگ مرے گھر کو جلاتی ہی رہے گی
خاموشی سے ہر ایک اسے تکتا رہے گا

اسلام کے احکام پہ جو ہو گا سو ہو گا
شیطان کے کہنے پہ عمل ہوتا رہے گا

حد ہوتی ہے کوئی تو کہیں ضبط کی آخر
ارزاں ہے لہو خاک میں جو ملتا رہے گا

سینوں سے نکلتی ہیں جو تکلیف سے آہیں
ان آہوں سے کیا عرش ابھی ہلتا رہے گا

ہم اپنے خدا سے ملی تقدیر پہ راضی
پر طے ہے کہ ہر ظلم سدا مٹتا رہے گا

دکھلائے گا وہ اپنا نشاں غیب سے طارق
کچھ صبر و دُعا خوف کا دن جاتا رہے گا

اس نے تو اپنے ہاتھ سے سنگ تراش کر دیا

اس نے تو اپنے ہاتھ سے سنگ تراش کر دیا
ایسی بنائی مُورتی دل کو فراش کر دیا

اتنا بھی سنگدل نہ تھا اس کا میں سنگ چھوڑتا
یوں ہی کبھی کبھی اسے میں نے نراش کر دیا

اس کے جو سنگ میں چلا سنگ پڑے تھے راہ میں
آبلہ پا جو میں ہوا کانٹا تلاش کر دیا

جذبۂ عشق سے مجھے اتنا بھی واسطہ نہ تھا
میرا جو شوق تھا کبھی اس نے معاش کر دیا

میرے رقیب نے بیاں قصۂ حسن جو کئے
اس نے بھی اپنا رازِ دل مجھ پہ ہی فاش کر دیا

ضبط کے بندھنوں میں کیا میرا حساب مانگتا
میری کتاب ہی کو اس نے پاش پاش کر دیا

راستی گر زندگی میں ہو گئی مدِّ نظر

راستی گر زندگی میں ہو گئی مدِّ نظر
لے کے پہنچے گی یہ جنّت میں بلا خوف و خطر

راستہ مشکل تو ہے پر ساتھ دیتا ہے خدا
رہتی ہے انسان کی پاتال تک اس کی نظر

مشکلیں آسان کر دیتا ہے بندوں کے لئے
پوری کر دیتا ہے ساری حاجتیں وہ سر بسر

ہو جبیں گر اس کے در پر ہی ہمیشہ سجدہ ریز
بھیج دیتا ہے مدد مشکل ہو جب پیشِ نظر

جب توکّل ہو خُدا پر کوئی بھی کشتی کہیں
ڈوب سکتی ہی نہیں کیسا بھی ہو مدّ و جزر

جو امانت میں خیانت کا نہیں ہے مُرتکب
گر نظر بھی پاک ہو تو پائے جنّت کی خبر

ابتدا سے دین پر اسلام کے قائم ہے جو
ہے سعادت گر عمل سے اس کو کرتا ہے نشر

طارق اس دنیا میں گر آ جائے سچ ہر بات میں
ہے ضمانت دور ہو جائیں سبھی دنیا کے شر

کہانی کی تو عادت ہی نہیں ہے

کہانی کی تو عادت ہی نہیں ہے
مجھے اتنی فراغت ہی نہیں ہے

کروں میں بات سیدھی صاف سچی
اُسے سننے کی طاقت ہی نہیں ہے

بہت واعظ نے فاقے کر لئے ہیں
کہیں پر اب شرافت ہی نہیں ہے

بہت عرصہ ہوا مہماں مرے گھر
نہیں آئے ضیافت ہی نہیں ہے

میں اس سے مل کے ٹھنڈی آہ بھرتا
مگر اس میں حرارت ہی نہیں ہے

مجھے دیکھا ہے اس نے شوق سے پر
نگاہوں میں شرارت ہی نہیں ہے

کہاں عرضی سفارش کی میں دیتا
محبّت کی وزارت ہی نہیں ہے

نہ جانے کیا ہوا ہے دفتروں کو
کہ جانے کی اجازت ہی نہیں ہے

جنونِ عشق میں کیا سوچ ڈالا
وہ اب کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے

مرے محبوب کی دیکھو اُڑانیں
کہیں پر وہ لطافت ہی نہیں ہے

بنا اس کے کہاں جاؤں میں طارق
وہ پہلی سی رفاقت ہی نہیں ہے

محبّت کے تقاضے ہم نبھا لیتے تو اچھا تھا

محبّت کے تقاضے ہم نبھا لیتے تو اچھا تھا
وفا کر کے تجھے اپنا بنا لیتے تو اچھا تھا

حجاب اپنوں سے تو اتنا کبھی اچھا نہیں ہوتا
نہاں تھے زخم کتنے گر دکھا لیتے تو اچھا تھا

عیاں تم پر اگر کرتے نہ اپنی بے قراری کو
ذرا سا صبر کا مرہم لگا لیتے تو اچھا تھا

دکھائے حسن کے جلوے جو تو نے ہر طرف اپنے
فراست کی نظر ان پر جما لیتے تو اچھا تھا

بھلا ایسی کمائی کیا کہ جس کو چھوڑ جانا ہے
جو آئے کام وہ روزی کما لیتے تو اچھا تھا

کوئی نغمہ غزل کوئی یا کوئی گیت اچھا سا
کبھی تعریف میں اس کی بھی گا لیتے تو اچھا تھا

بہت سی داستانوں میں کیا تھا ذکر اوروں کا
کبھی اپنی کہانی بھی سُنا لیتے تو اچھا تھا

اُٹھایا لطف ہم نے کھانے پینے سیر کرنے کا
مدد کر کے کسی کی گر ،مزا لیتے تو اچھا تھا

ہمارے سامنے آ کر اگر روٹھے ہی رہنا تھا
ستم یہ دور ہی سے ہم پہ ڈھا لیتے تو اچھا تھا

ہمیں معلوم ہے کچھ دیر ٹھہرے تو تھے دم لینے
یہاں بھی اک مکاں اچھا بنا لیتے تو اچھا تھا

ہمارے دوستوں نے بھی گزاری عمر غفلت میں
اگر سوئے ہوؤں کو ہم جگا لیتے تو اچھا تھا

بہت سا وقت ضائع کر دیا بے کار بحثوں میں
سمجھ والے کسی سے مشورہ لیتے تو اچھا تھا

بڑا تم پر کرم طارق رہا ہے زندگانی میں
مصیبت میں کسی کا دکھ بٹا لیتے تو اچھا تھا

آج کل امتحاں میں رہتا ہوں

آجکل امتحاں میں رہتا ہوں
آفتِ ناگہاں میں رہتا ہوں

میں جو خود کو نظر نہیں آتا
چھپ کے یارِ نہاں میں رہتا ہوں

ہے تو انسانیت مرا مسلک
آدمی ہوں جہاں میں رہتا ہوں

گو سفر میں ہے روز و شب میرا
پھر بھی اپنے مکاں میں رہتا ہوں

بھول جاؤں نہ اپنی منزل کو
اس لئے کارواں میں رہتا ہوں

جب سے وارث ہوا ہوں رانجھے کا
ہیر کی داستاں میں رہتا ہوں

اک تخیّل نہیں زمیں میری
سوچ کے آسماں میں رہتا ہوں

شاید اس کی نظر بھی پڑ جائے
مجمعِ عاشقاں میں رہتا ہوں

طارق اپنے حساب میں گم ہوں
فکرِ سود و زیاں میں رہتا ہوں

جو قربت میں محبّت کی حلاوت ہوتی جاتی ہے

جو قربت میں محبّت کی حلاوت ہوتی جاتی ہے
عجب اس کی نگاہوں میں تمازت ہوتی جاتی ہے

تھیں لمبی ہجر کی گھڑیاں بنے کچھ وصل کی صورت
تہجّد کی جوانی میں بھی عادت ہوتی جاتی ہے

یہی ہوتا چلا آیا یہی قانونِ قدرت ہے
کہ جیسے لوگ ہوں ویسی قیادت ہوتی جاتی ہے

بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہے ہیں رہنما اکثر
مگر خاموش جانے کیوں شرافت ہوتی جاتی ہے

نہ باقی جب رہے احساس ہی کوئی قیامت کا
دلوں سے دور پھر ساری ملامت ہوتی جاتی ہے

زمانے سے بھلا شکوہ کریں کیونکر کثافت کا
امانت میں خیانت کی سیاست ہوتی جاتی ہے

سنو حق پر ہو قائم تم ، ستم سہنا تسلسل سے
حسد کی آگ میں داخل رقابت ہوتی جاتی ہے

کبھی گِن کر تو دیکھو کس قدر احساں ہوئے تم پر
تمہیں طارق بَھلا کیونکر شکایت ہوتی جاتی ہے

چمن میں غنچہ و گل ہیں مگر قبا کیا ہے

چمن میں غنچہ و گل ہیں مگر قبا کیا ہے
جو باغباں ہو وہ خود باغ بیچتا کیا ہے

طبیب آگیا تشخیص کی دوا بھی دی
مریض کو جو ملی ہے شفا بُرا کیا ہے

جو سوچ ہے مری اس کو بھلا وہ کیا معلوم
عجیب ہے وہ مرے دل میں جھانکتا کیا ہے

ہوئے ہیں اس جگہ حالات کچھ عجب میرے
وہ دور ہی سے یہ کہتا ہے مانتا کیا ہے

میں اس سے پیار کا رشتہ تو جوڑ لیتا مگر
خرد کو عشق کے بارے میں کچھ پتہ کیا ہے

مجھے بھروسہ اُن آنکھوں پہ ہے جو کہتا ہوں
کرے نہ دل کو جو گھائل تو پھر نگہ کیا ہے

میں اس سے بات کروں جب بھی یہ سوال کرے
تُو اپنے بارے میں کچھ اور جانتا کیا ہے

برا جو اُس نے منایا مری خطا کیا ہے
ذرا بتا ؤ تو میں نے بھلا کہا کیا ہے

یہ اجڑے اجڑے سے گیسُو اُداس سی آنکھیں
جو آہ بھرتا ہے آخر اسے ہوا کیا ہے

ستم گروں نے کہیں دیکھ کے کہا تو نہیں
یہ شخص آیا ہے اس وقت چاہتا کیا ہے

تمہاری داستاں سننے کو تو سبھی آئے
کوئی تو مجھ سے بھی پوچھے کہ ماجرا کیا ہے

میں طارق اس کو کروں اپنی بات کا قائل
مگر وہ اپنی کہے میری سُن رہا کیا ہے

حسن جو ہے حجاب میں قلب پہ آشکار کر

حسن جو ہے حجاب میں قلب پہ آشکار کر
عشق کی بے خودی کو خود رہروِ شاہ وار کر

ساتھ کسی کے چل کے دیکھ یونہی سفر نہ آزما
ناؤ قریب ہے تری یونہی نہ بےکنار کر

اس کا بھی دل ترے لئے اتنا ہی بے قرار ہے
تُو بھی قدم بڑھا ذرا بیٹھ نہ جا تُو ہار کر

تیرے نصیب میں ہیں سب دنیا و دیں کی عظمتیں
عہد کیا ہے تُو نے جو بس اسے اُستوار کر

تُجھ کو امّید ہی سہی حسرتِ دید ہی سہی
آئے گا تیرے سامنے اس پہ تُو اعتبار کر

راہِ وفا میں جاں نثار جو بھی ہو تیرا ہمسفر
آ کے ملے گا خود تجھے دل کو نہ سوگوار کر

جادۂ پیچ و خم سبھی علم میں ہیں امام کے
بس تُو اسی کے ساتھ چل طارق قدم سنوار کر

ہم ہی نہیں تھے گھر سے تیّار ہو کے نکلے

ہم ہی نہیں تھے گھر سے تیار ہو کے نکلے
جتنے بھی ہمسفر تھے ہشیار ہو کے نکلے

ہم اس کی رہگزر پر یوں بھی گئے ہیں اکثر
شاید کہ اس گلی سے دلدار ہو کے نکلے

ایسا وہ چارہ گر ہے پہنچے جو اس کے در پر
پا کر شفا دلوں کے بیمار ہو کے نکلے

مایوس ہو چکے تھے ہم اپنی کوششوں سے
صحبت ملی جو اس کی ابرار ہو کے نکلے

صد حیف ہے خرد پر اس سے جنوں ہی بہتر
ہوتے ہوئے جو اس کے اغیار ہو کے نکلے

وہ بانٹتا ہے دلبر خود آ کے گھر خزانے
پھر لفظ کیوں زباں سے انکار ہو کے نکلے

اس باغباں پہ قرباں جس کے لگائے بُوٹے
با برگ و بار ہر سُو اشجار ہو کے نکلے

آواز ہر طرف ہی دینا ہے کام اپنا
آئے گا وہ جو سُن کر سرشار ہو کے نکلے

دنیا کی ہے کہانی جو اس کے پیچھے بھاگے
وہ اور بھی دکھوں سے دوچار ہو کے نکلے

وہ ایک بادشہ ہے جس کی سبھی عطا ہے
جو اس کے گھر گیا وہ شہ وار ہو کے نکلے

جب اس کا ذکر آیا الفاظ منہ سے طارق
شُستہ سی اک غزل کے اشعار ہو کے نکلے

گرے جو آنکھ کی جنبش سے ، تارا ، دیکھ لیتا ہوں

گرے جو آنکھ کی جنبش سے تارا دیکھ لیتا ہوں
بھری محفل میں ڈھونڈے جو سہارا دیکھ لیتا ہوں

میں اپنی مشکلوں کا حل کسی سے کیوں بھلا پوچھوں
بھنور میں جب ہو کشتی میں کنارا دیکھ لیتا ہوں

زمانے میں ہوئے رسوا ہیں اکثر لوگ باتوں سے
میں نظروں میں چھپا اکثر اشارا دیکھ لیتا ہوں

بڑھاتا ہے کوئی جو ہاتھ اس کو تھام لیتا ہوں
ہے میری دوستی کس کو گوارا دیکھ لیتا ہوں

گماں کرتا ہے وہ رکھتا ہوں میں اس کو خیالوں میں
اسے لیکن میں سپنوں میں تو سارا دیکھ لیتا ہوں

میں اکثر بھول جاتا ہوں سبق اس زندگانی کا
مگر ہر روز میں پڑھ کر سپارہ دیکھ لیتا ہوں

مجھے طارق نہیں کوئی بھی رغبت اس سیاست سے
مگر خبریں کبھی قسمت کا مارا دیکھ لیتا ہوں

عشق کی سجدہ گہ فرش ہو جائیں گے

عشق کی سجدہ گہ فرش ہو جائیں گے
وہ ہمارے لئے عرش ہو جائیں گے

وہ مرے پاس آئیں نہ آئیں مگر
دل کے آئینے پر نقش ہو جائیں گے

مے پلا دے اگر اپنے ہاتھوں سے وہ
جام یہ زندگی بخش ہو جائیں گے

تُو خیالات کو ڈھیل اتنی نہ دے
ورنہ بے قابو یہ رخش ہو جائیں گے

عقل سے کام لیں گے نہ گر جوش سے
پھر تو دُشمن بھی اِس پکش ہو جائیں گے

ہم جو طاعت میں اس کی رہیں عمر بھر
اس کے کردار کا نقش ہو جائیں گے

طارق اک زندگی دان کر کے اُسے
ایک سے ہم کئی لکش ہو جائیں گے

حسن کو عشق ہے منظور جواب آیا ہے

حسن کو عشق ہے منظور جواب آیا ہے
عمر جب بیت گئی اپنی شباب آیا ہے

ہم تو پہلے سے ہی قرباں تھے اسی مہ رُخ پر
نُور جس چہرے پہ بے حدّ و حساب آیا ہے

اس کو معلوم ہے کیا ہجر میں بیتی مجھ پر
پڑھ کے وہ بھی مرے چہرے کی کتاب آیا ہے

جب سے آیا ہے وہ گلشن میں مہک تازہ ہے
ایسا احساس ہوا جیسے گلاب آیا ہے

پاس بیٹھا ہوں کبھی اس کے جو میں کچھ لمحے
لوگ کہتے ہیں کہ یہ پی کے شراب آیا ہے

اس کے ہر لفظ میں ہم نے تو سحر دیکھا ہے
لوگ سر دُھنتے ہیں جو اس کا خطاب آیا ہے

کب عتاب آتا ہے جب تک نہ کوئی آئے نذیر
سوچو تو کیسا یہ دنیا پہ عذاب آیا ہے

ہے یہی بات تو اچھی تری طارق تُو بھی
جب کبھی یاد کیا اُس نے شتاب آیا ہے

جتنے طاہر ہو گے تم

جتنے طاہر ہو گے تم
اُتنے ظاہر ہو گے تم

سب کچھ تم نے مانا جب
کیسے کافر ہو گے تم

دُشمن آخر دشمن ہے
کب تک صابر ہو گے تم

شکوہ تم سے کیسا ہے
کب سے شاکر ہو گے تم

یار تو سیدھے سادہ ہیں
کیونکر شاطر ہو گے تم

آنکھوں سے کچھ کہتے ہو
چپ بظاہر ہو گے تم

اس کی آنکھوں میں شاید
دل کے ماہر ہو گے تم

رستہ مشکل منزل تک
ایک مسافر ہو گے تم

اس کی محفل میں بیٹھو
پھر ہی طاہر ہو گے تم

وہ جب تم سے راضی ہے
اوّل آخر ہو گے تم

طارق حیرت میں ہیں سب
کوئی ساحر ہو گے تم

محبّت کی کہانی بھی بڑی گمبھیر ہوتی ہے

محبت کی کہانی بھی بڑی گمبھیر ہوتی ہے
جو دل تک بات جا پہنچے عجب تاثیر ہوتی ہے

زباں بندی ہوئی دستور ہے جب سے مرے گھر میں
اگر محبوب کا میں نام لوں تعزیر ہوتی ہے

اڑا پھرتا ہوں اس کے ساتھ میں اونچی ہواؤں میں
مرے خوابوں کی اکثر ٹھیک ہی تعبیر ہوتی ہے

بگاڑوں ناک نقشے کو میں اپنے وہ تو یہ چاہیں
جو آئینہ دکھاؤں ان کی پھر تحقیر ہوتی ہے

روا رکھا گیا جو آج تک ظلم و ستم مجھ پر
تری قسمت میں رسوائی مری توقیر ہوتی ہے

میں جذبوں کو زباں دے کر رقم کرتا ہوں سوچوں کو
جو لکھوں شعر میں عمدہ مری تحریر ہوتی ہے

پڑا رہتا ہوں طارق راہ میں شاید وہ آ جائے
کہ اس کی اک نظر میرے لئے اکسیر ہوتی ہے

کیا ہے جو بھی ارادہ کبھی دعا کر کے

کیا ہے جو بھی ارادہ کبھی دعا کر کے
خدا نے کر دیا پورا اسے دَیا کر کے

ہمارے حوصلے دیکھے ہیں اک زمانے نے
کوئی ہرا نہیں پایا ستم روا کر کے

کہو جو مذہبِ اسلام سے ہیں یہ باہر
رہو گے کیسے مسلماں ہمیں جُدا کرکے

طلوعِ صبح ہوئی ہے تو آنکھ بند کریں
ہے رات جب کہ گزاری خدا خدا کر کے

ہے وقت آ گیا کب آئے گا امامِ زماں
پکارتے تھے یہی لوگ التجا کر کے

جو آ گیا ہے تو انکار پر بضد ہیں کیوں
عجب نہیں ہے یہ سوچو کوئی خدا کر کے

بہت سے اُس پہ ہیں تیّار جاں لُٹانے کو
ہیں کتنے ایسے جو بیٹھے ہیں جاں فدا کر کے

لُٹا کے بیٹھا ہے دل اُس کے در پہ ہی طارق
خوشی ہے اس کو یہ اظہار برملا کر کے

دل میں سرمایہ قناعت کا لگائے رکھا

دل میں سرمایہ قناعت کا لگائے رکھا
کسی حسرت نے نہیں ڈیرہ جمائے رکھا

آستینوں میں کبھی جھانک کے دیکھا ہی نہیں
جانے کن سانپوں کو ہم نے تھا چھپائے رکھا

دشمنوں سے تو بھلائی کی توقّع ہی نہ تھی
دوستوں نے بھی ہمیں خود سے پرائے رکھا

دھوپ نے پیچھا کیا جب کبھی صحراؤں میں
اس نے بادَل کو مرے سر پہ ہے چھائے رکھا

ہم تو اس بزم میں جاتے ہوئے گھبراتے تھے
حوصلہ اس نے دیا دل کو بڑھائے رکھا

تھام کر ہاتھ مرے ساتھ وہ کچھ دیر چلا
ایسے تھا جیسے فرشتوں نے اٹھائے رکھا

یاد میں اس کی تجھے نیند نہ آئی طارق
رات بھر اس نے بھی مشعل کو جلائے رکھا

اب میں احباب میں خاموش گنا جاتا ہوں

اب میں احباب میں خاموش گنا جاتا ہوں
میرے ساتھی جو نہیں تنہا رہا جاتا ہوں

اپنے بچوں میں مجھے ماضی نظر آتا ہے
دیکھ کر ان کو میں بچپن میں چلا جاتا ہوں

صبحِ نو کی مجھے امّید جواں رکھتی ہے
اس طرح خود کو تسلّی تو دلا جاتا ہوں

رات کے پچھلے پہر وہ بھی چلا آتا ہے
بات جلدی سے اسے دل کی بتا جاتا ہوں

مے یہ جتنی بھی پیوں تشنہ لبی اور بڑھے
بے خودی وہ ہے کہ میں حد سے بڑھا جاتا ہوں

اب تری منزلِ مقصود تو کچھ دُور نہیں
اس کی جانب سے یہ امّید دیا جاتا ہوں

طارق اعمال مرے اس سے نہیں پوشیدہ
اس کی ستّاری کے پردے میں چھپا جاتا ہوں

کیسے کیسے ہم نے دیکھے دنیا کے متوالے لوگ

کیسے کیسے ہم نے دیکھے دنیا کے متوالے لوگ
چمڑی جانے دیں پر نہ دیں دمڑی حرص کے پالے لوگ

جس دنیا میں ہم بستے ہیں رنگ برنگے لوگ یہاں
کچھ معصوم سے لیکن کچھ ہیں آفت کے پرکالے لوگ

دھوکہ دے کر مال کمائیں اس پر پھر وہ ناز کریں
جھوٹی آن کا دعوٰی کرنے والے کیسے ٹالے لوگ

ایسے بھی ہیں عمر گنوا کر مال بنا کر بیٹھے ہیں
دولت سے اب وقت کو ڈھونڈیں کتنے بھولے بھالے لوگ

کھا پی کر جو سوئے جاگے ، کام کیا اور گھر آئے
گھر پر ٹی وی ، فون ڈرامے دیکھیں گورے کالے لوگ

کس کو فرصت ہے کہ دیکھے کون گیا تھا کون آیا
اُٹھ کر دیکھیں گے جب پڑ گئے اپنی جان کے لالے ، لوگ

جن کے مال خدا کی خاطر ہر دم حاضر رہتے ہیں
وقت پڑے تو جان لُٹا دیں دلبر پر دل والے لوگ

دین کی خاطر ہر پل گزرے جن کا بھی اس جیون میں
فضلِ خدا کے مورد ہیں وہ ہر دم اللہ والے لوگ

طارق جو بھی کام کرو تم اپنے ربّ کو یاد کرو
وہ رکھے گا یاد تمہیں کھولیں گے دل کے تالے لوگ

حسن کو دیکھ کے جب عشقِ بتاں بولتا تھا

حسن کو دیکھ کے جب عشقِ بتاں بولتا تھا
کوئی چپکے سے مرے دل میں نہاں بولتا تھا

جب یقیں مجھ کو نہیں تھا تو گماں بولتا تھا
کیا تھا مقصد مرے آنے کا یہاں بولتا تھا

آئنہ پھینک دیا توڑ کے باہر میں نے
سچ مرے سامنے کر کے وہ عیاں بولتا تھا

دیکھ کر اپنی ہی تصویر کو حیران تھا میں
میرا ہر نقش مصوّر کی زباں بولتا تھا

قائلِ حسن فقط میں ہی نہ تھا دنیا میں
مبتلا عشق میں ہر پیر و جواں بولتا تھا

وہ مرے سامنے آیا تو میں کچھ کہہ نہ سکا
یوں تو ہر ایک کے آگے میں رواں بولتا تھا

چاند سورج بھی ہوئے ماند تھے اس کی خاطر
آسماں اس کے لئے بن کے نشاں بولتا تھا

تہلکہ نوکِ قلم سے تھا مچایا اس نے
اس کی باتوں میں سحر تھا وہ جہاں بولتا تھا

دیکھ کر حُسنِ بیاں ، حسن کا قائل جو ہوا
وہ فقط سنتا تھا اس کی ، وہ کہاں بولتا تھا

ہم بھی گھائل ہوئے طارق ہیں ان ہی نظروں کے
جن کی تعریف میں یہ کون و مکاں بولتا تھا

دل تو دیتا ہے صدا کچھ کیجئے

دل تو دیتا ہے صدا کچھ کیجئے
وقت یوں ہی کٹ گیا کچھ کیجئے

ان کے گھر جا کر منا کر آ یئے
یا یہیں ردِبلا کچھ کیجئے

کوئی حق مارا نہ ہو مخلوق کا
دور لوگوں کا گِلا کچھ کیجئے

ان کو اپنے گھر میں دعوت دیجئے
یا کہیں باہَر مزا کچھ کیجئے

ابتدا ہو گی تو ہو گی انتہا
کام تو اپنا بھلا کچھ کیجئے

اوّل اوّل کا نشہ جاتا نہیں
کی محبّت تو پیا کچھ کیجئے

عشق کو ثابت قدم دیکھا ہے جب
حسن کو کہنا پڑا کچھ کیجئے

آدمی لگتے ہو طارق کام کے
جس نے دیکھا یہ کہا کچھ کیجئے

مقصود اس سفر کا کنارا نہیں رہا

مقصود اِس سفر کا کنارا نہیں رہا
ساتھ اُس کا چھوڑ دیں یہ گوارا نہیں رہا

ہم اتنی دور آگئے اپنی تلاش میں
اب خود سے بھاگنے کا تو یارا نہیں رہا

سوچا تھا زندگی سے محبّت کریں گے ہم
ہاتھوں میں پھر یہ وقت کا دھارا نہیں رہا

لگتا ہے کر گئی ہے اثر اس کی اک نظر
اب جان و دل ہمارا ہمارا نہیں رہا

سب موسموں میں خوشبو چمن میں بسی رہی
پتّوں کا گو خزاں میں سہارا نہیں رہا

ہم اس کی انجمن میں ملیں جا کے خود اسے
اِس کے سوا تو اب کوئی چارا نہیں رہا

ایسا کیا علاج مسیحا نے مرَض کا
بے چین کوئی درد کا مارا نہیں رہا

سورج سے نور پا کے وہ ظاہر ہوا قمر
جب کوئی بھی چمکتا ستارہ نہیں رہا

ہاتھوں میں ہاتھ دے کہ جو طارق تُو چل پڑا
کب تیرے ساتھ وہ ترا پیارا نہیں رہا

ہم طرزِ تکلّم سے اندازہ لگا لیتے

ہم طرزِ تکلّم سے اندازہ لگا لیتے
وہ بات اگر کرتے ہم بات نبھا لیتے

اس رشتۂ پیہم کی اتنی سی کہانی ہے
رُوٹھے جو کبھی ہم سے، ہم ان کو منا لیتے

سنتے ہیں فقط اُن کی خاطر ہی جہاں بھر کی
گر اتنا سمجھ جاتے وہ پاس بٹھا لیتے

وہ فیض کا مظہر ہے جس در پہ کھڑے ہیں ہم
وہ آتے یہاں پر جب، اس در سے دُعا لیتے

پاتے ہیں مریض آ کر اعجازِ مسیحائی
خود دیکھا ہے مُردوں کو پھونکوں سے جِلا لیتے

یک طرفہ محبّت سے گر بات بڑھی ہوتی
کچھ سُنتے ہماری وہ کچھ اپنی سنا لیتے

مخلوق خدا کی جو پیدا ہوئی دنیا میں
ہم اس کی مدد کر تے توحید اپنا لیتے

طارق یہی مقصد ہے تیرا جو یہاں آیا
جیون تو بِتانا تھا اچھے سے بِتا لیتے

جانے کیا کیا دل پہ گزرتا رہتا تھا

جانے کیا کیا دل پہ گزرتا رہتا تھا
میں جب اپنے آپ سے ڈرتا رہتا تھا

چاند بھی شاید تنہا تھا میری مانند
جب دیکھو وہ مجھ کو تکتا رہتا تھا

جب جب گلیوں میں رونق ہو جاتی تھی
تیرا ذکر تو اکثر چلتا رہتا تھا

میں کمزور ہوا ہوں تیرے جانے سے
ورنہ ہمّت تو میں کرتا رہتا تھا

ساون رت میں بادَل کے آ جانے سے
قطرہ قطرہ پانی گرتا رہتا تھا

کیسے لوگ بھلا دیں تیرے سپنوں کو
سپنوں میں تُو ان پر مرتا رہتا تھا

سب ہی تھے شوقین یہاں رنگ رلیوں کے
بس اتنا تھا رنگ بدلتا رہتا تھا

گیت سنانے تیرے گھر پر آ پہنچا
گلیوں میں جو گانا گاتا رہتا تھا

تنہائی میں یاد کسی کی آتی تھی
وہ بھی بیٹھا آہیں بھرتا رہتا تھا

طارق کس نے ماضی کو بد نام کیا
حال تو مستقبل ہی بنتا رہتا تھا

دیکھنے میں بھی اسے ایک جھلک جاؤں گا

دیکھنے میں بھی اسے ایک جھلک جاؤں گا
یہ الگ بات کہ مے بن کے چھلک جاؤں گا

اُس کے چہرے پہ سبھی رنگ ہی کِھل جاتے ہیں
دیکھنے رنگوں سے بنتی میں دھنک جاؤں گا

اس کی آنے سے چمن یوں ہی معطّر ہو گا
ساتھ اس کے جو رہا میں بھی مہک جاؤں گا

اس کے انوار کی کرنوں سے منوّر ہو کر
ایک دن دیکھنا میں بھی تو چمک جاؤں گا

میں نے رکھا جو قدم اس کے قدم سے آگے
کیا ضمانت کہ میں رستہ نہ بھٹک جاؤں گا

ایک عالم نے پیا اس کی محبّت کا نشّہ
اتنا کم ظرف نہیں میں کہ بہک جاؤں گا

وقت لگتا ہے کسی طفل کو بالغ ہوتے
میں کوئی غنچہ نہیں پل میں چٹک جاؤں گا

لمحہ لمحہ جو خیال آتا ہے اس مہ رُخ کا
اب وہ لے جائے جہاں تک بے دھڑک جاؤں گا

وہ بھی رکھتے ہیں مری آمد و رفتن پہ نظر
میں رقیبوں کو بہت جلد کھٹک جاؤں گا

آبلہ پا ہوئے کتنے جو سفر پر نکلے
میں ترے ساتھ مگر حشر تلک جاؤں گا

پیر ہن چاک ہوا عشقِ بتاں میں طارق
عمر بھر سیتے ہوئے اس کو تو تھک جاؤں گا

کہہ رہا ہے وہ کیا سنو تو سہی

کہہ رہا ہے وہ کیا سُنو تو سہی
اس کا کچھ مدّعا سُنو تو سہی

راہِ حق پر قدم بڑھاؤ ذرا
آپ کا ہو بھلا سُنو تو سہی

اس کے قدموں میں جا کے سر رکھ دو
فائدہ ہو گا کیا سُنو تو سہی

جو اطاعت میں زندگی گزرے
ہو گا اچھا برا سُنو تو سہی

داستاں اپنی لے کے بیٹھے ہو
میں نے جو کچھ کہا سُنو تو سہی

زندگی میں جو میں نے سچ جانا
کہہ دیا باخدا سُنو تو سہی

ناخدا مجھ کو ساتھ لے کے چلے
وہ ہے میرا خدا سُنو تو سہی

آج تک اس نے مجھ کو چھوڑا نہیں
ہے بڑا با وفا سُنو تو سہی

تم کرو جو دعا تمہاری سنوں
دے رہا ہے صدا سُنو تو سہی

وقت کم ہے تم آؤ جلدی سے
کیا رہو گے سدا سُنو تو سہی

سب مرادیں عطا ہوں دل دھو دے
کر کے دیکھو دعا سُنو تو سہی

استقامت سے تم جو مانگو گے
وہ کرے گا عطا سُنو تو سہی

جب کوئی بھی دوا نہ کام کرے
اس سے دے گا شفا سُنو تو سہی

سستیوں میں جو عمر گزری ہے
تم کرو ابتدا سُنو تو سہی

فرق دکھلائے گا تمھارے لئے
ہو گی کیا انتہا سُنو تو سہی

طارق آؤ اسی کے در پہ جھکیں
وہ ہے نیچے جُھکا سُنو تو سہی

آ گہی گرچہ ہو طریقے سے

آ گہی گرچہ ہو طریقے سے
شعر ہوتا نہیں ہے سیکھے سے

میں نے مجنوں کو بارہا پرکھا
عشق اس نے کیا سلیقے سے

اس نے اپنا بنا لیا مجھ کو
بات کرتا ہے وہ طریقے سے

میں نے دیکھا تو تھا تکلّف سے
بات آگے بڑھی دقیقے سے

خاص اس کے لئے یہ زحمت کی
پھول لایا تھا میں حدیقے سے

مشتہر کر دیا ہے اس نے مجھے
میں نے بس بات کی تھی فیقے سے

اب تو پُرسانِ حال کوئی نہیں
طعنے دیتے ہیں لوگ تیکھے سے

شادی اس کی تھی دوسری طارق
تھا ولیمہ نہ کم عقیقے سے

گو یہاں بھی حساب ہوتے ہیں

گو یہاں بھی حساب ہوتے ہیں
سب کہاں بے نقاب ہوتے ہیں

ہے مکافات ایک جاری عمل
رات دن احتساب ہوتے ہیں

تم نے پھینکے تھے ہر قدم کانٹے
اب جو رہ میں گلاب ہوتے ہیں

آئنہ جو ہمیں دکھاتے ہیں
سب ہمارے ہی خواب ہوتے ہیں

یہ جو عاشق ہیں اپنے دلبر کی
پڑھ کے بیٹھے کتاب ہوتے ہیں

غور کرنے کا وقت ہے کس کو
فیصلے یہ شتاب ہوتے ہیں

ہے لچک ان میں ڈھالے جانے کی
جذبے مثلِ تُراب ہوتے ہیں

دیکھنا ٹھیس لگ نہ جائے کہیں
رشتے نازک حباب ہوتے ہیں

ہم نے کچھ تو غلط کیا ہو گا
کیوں یہ ہم پر عذاب ہوتے ہیں

کیا خدا کا مذاق اڑایا ہے
اس کے ہم پر عتاب ہوتے ہیں

لے کے کس کو اڑوں میں ساتھ اپنے
اب تو شاہیں غراب ہوتے ہیں

آپ صحرا میں جا کے دیکھیں تو
ہر قدم پر سراب ہوتے ہیں

مقصدِ زندگی کا لُبِّ لباب
دُور سارے حجاب ہوتے ہیں

آپ چکّر لگائیے صاحب!
ہم تو گھر پر جناب ہوتے ہیں

کیسے نکلے تھے گھر سے ہم طارق
آج وہ ہم رکاب ہوتے ہیں

جو لکھّی جا چکی تحریر کتنی چھوٹی ہے

جو لکھّی جا چکی تحریر کتنی چھوٹی ہے
مرے جو بس میں ہے تقدیر کتنی چھوٹی ہے

دکھائی کہکشاں اس نے مجھے یہی کہہ کر
کہ دیکھ لے تری تصویر کتنی چھوٹی ہے

نہیں ہے میرے تخیّل میں گرچہ روک کوئی
ہے دسترس میں جو تدبیر کتنی چھوٹی ہے

کبھی کبھی مرے دل میں خیال گزرا ہے
کہ میرے خوابوں کی تعبیر کتنی چھوٹی ہے

فلک سے آگے مکاں اور بھی ہیں میرے لئے
یہاں پہ کی گئی تعمیر کتنی چھوٹی ہے

صدا نماز میں دوں گر تو عرش تک پہنچے
وہاں نہ پہنچے جو تکبیر کتنی چھوٹی ہے

خدا کی ذات سے منکر ہیں لوگ پھر طارق
جو تیری کی گئی تکفیر کتنی چھوٹی ہے

یوں ستم ڈھانا اس کی عادت ہے

یوں ستم ڈھانا اس کی عادت ہے
ہنس کے سہہ لینا میری فطرت ہے

اُس کو اس بات کا گلہ کیوں ہے
سن کے چپ رہنا کیا عداوت ہے

ہم نے اپنا سمجھ کے شکوہ کیا
تم نے جانا کہ یہ بغاوت ہے

دیکھ لینا حسین چہرے کو
تم سمجھتے ہو کیا شرارت ہے

تم کنایوں میں بات کرتے ہو
ہو گئی کیا تمہیں محبّت ہے

ہم کسی کا جو نام لیتے ہیں
وہ سمجھتے ہیں یہ رقابت ہے

آشنا اس کی ذات سے جو کرے
مل گئی ہم کو وہ رفاقت ہے

مسکراتا ہے دیکھ کر ہم کو
آجکل بڑھ گئی سخاوت ہے

فیصلہ خود ہی اس کو کرنا ہے
ہاتھ میں اس کے جب عدالت ہے

کچھ ہماری اگر ذرا سُن لے
ہم سمجھ لیں گے کچھ شرافت ہے

دور آیا ہے جو مسیحا کا
آئی مہدی کی اب امامت ہے

اس زمانے میں جو قبول کرے
اصل میں تو یہی شجاعت ہے

عقل سے کام لے کے چِت کر دے
پہلواں ہے وہی ، حکایت ہے

طارق اس کا ہوا جو شیدائی
یہ تو اُس پر خُدا کی رحمت ہے

جب مقابل پہ مرے جان و جگر آ نکلے

جب مقابل پہ مرے جان و جگر آ نکلے
دیکھنے ان کو مرے قلب و نظر آ نکلے

رات پھر یاد انہیں آئی ستم ڈھانے کی
وہ رقیبوں کو لئے میرے جو گھر آ نکلے

کوئی ایسے تو گنہ مجھ سے بھی سرزد نہ ہوئے
ہاتھ میں کھینچ کے تلوار ادھر آ نکلے

یہ مروّت کا تقاضا تھا کہ تھی نظرِ کرم
جو کئی بار کہا مجھ سے کِدھر آ نکلے

اک وبا کا بھلا کس طور سے رستہ روکیں
اس کا جی چاہے جہاں اور جدھر آ نکلے

دل جگر روح سبھی ساتھ لیا جب وہ چلے
جاں بچی تھی اسے لینے وہ ادھر آ نکلے

لاکھ کوشش سے صلہ ملتا ہے محنت کا یہاں
مانگ بھرنے کے لئے خونِ جگر آ نکلے

زندگی بخش تھی بارش جو ہوئی عرفاں کی
ہم بھی صحرا میں تھے بادَل جو اُدھر آ نکلے

طارق آتے ہوئے اس کو بھی یہ کہتے آنا
وہ کسی روز ہمارے بھی نگر آ نکلے

مسکراتے ہوئے آتے ہوئے دیکھا ہے اُسے

مسکراتے ہوئے آتے ہوئے دیکھا ہے اسے
دل میں وہ چہرہ بساتے ہوئے دیکھا ہے اسے

اس کے انوار سے ماحول منوّر جو ہوا
نور وہ دل میں سماتے ہوئے دیکھا ہے اسے

اس کی پاکیزگیٔ روح نہ پوچھو ہم سے
ہم نے زمزم میں نہاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

اس نے ہر وار لیا سینے پہ آگے بڑھ کر
دل کو زخموں سے سجاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

کتنے بیمار دلوں کو وہ شفا دیتا ہے
مردہ روحوں کو جِلاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

ساتھ لے کر اسے چلتے ہیں فرشتے ہر دم
ہاتھ کو ہاتھوں پہ لاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

اس کی پرواز اکیلے ہی نہیں ہوتی یہاں
اور طائر بھی اڑاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

بانٹتا پھرتا ہے گھر گھر میں وہ عرفاں کی شراب
تشنہ روحوں کو پلاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

اس نے ہر خطرے سے عالم کو خبر دار کیا
سو نے والوں کو جگاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

آ گئے امن میں طارق جو سمجھ جاتے ہیں
جنگ سے روز بچاتے ہوئے دیکھا ہے اسے

آخر کو کیوں پہچان نہیں

آخر کو کیوں پہچان نہیں
انسان کو وہ حیوان نہیں

جب اپنی ذات میں کھو جائیں
اس ذات کا پھر عرفان نہیں

جو راہ بتانے آئے ہیں
کیا وہ بھی تھے انسان نہیں

توریت انجیل صحائف سب
لے کر آئے قرآن نہیں

تم سب کو بھول کے بیٹھ گئے
ان سب پر کیا ایمان نہیں

تم　جان　کسی　کی　گر　لے　لو
تو　کیا　وہ　جان　بھی　جان　نہیں

قدرت　نے　عقل　ہمیں　بخشی
کیا　اس　کا　یہ　احسان　نہیں

گر　سر　جھک　جائے　قدموں　پر
بندے　کی　کیا　یہ　شان　نہیں

کچھ　دیر　کو　سوچ　کے　دیکھو　تو
آخر　انساں　،　انسان　نہیں

اے　مذہب　کے　ٹھیکیدارو
کیا　تم　ظالم　انسان　نہیں

شیطان　سے　کر　کے　بیٹھے　تم
کیا　کیا　عہد　و　پیمان　نہیں

جو ناحق جاں لے لیتا ہے
پھر کیونکر وہ شیطان نہیں

تم کونسا مذہب لے بیٹھے
مذہب کا یہ فرمان نہیں

جنّت کب ملتی ہے ایسے
ملتے حور و غلمان نہیں

جس مذہب کو تم مانتے ہو
کیا اس میں امن امان نہیں

ہے وقت ابھی تم باز آؤ
توبہ کا بدل تاوان نہیں

سوچو کیوں روح تمہاری کو
حاصل اب تک وجدان نہیں

اب وقت قلم کا آیا ہے
تلوار لئے سلطان نہیں

اب پیار سے دل کو جیتو تم
جنّت اتنی آسان نہیں

جب تک نہ عمل ہو ساتھ لئے
ہوتا وہ قبول ایمان نہیں

طارق کیوں چین سے بیٹھا ہے
کیا اس پر تُم حیران نہیں ؟

زیست کا لمحہ جو ہر ایک اہم ہوتا ہے

زیست کا لمحہ جو ہر ایک اہم ہوتا ہے
یاد کرنے کا تجھے وقت ہی کم ہوتا ہے

ایک کے بعد جفا ایک مسلسل ہم پر
نئے انداز سے ہر روز ستم ہوتا ہے

وہ جو آ جاتا ہے چپکے سے خیالوں میں مرے
چونک جاتا ہوں کہ میرا وہ صنم ہوتا ہے

میں نے سوچا تھا کہ لکھّوں گا بہت سی باتیں
اب تو مضمون فقط تیرا رقم ہوتا ہے

میں نے جو وقت گزارا تھا کبھی تیرے بنا
آج سوچوں تو اسی وقت کا، غم ہوتا ہے

اب بھی آ جاتے ہیں وہ ہاتھ بٹانے میرا
کچھ خیالات کو رشتوں کا بھرم ہوتا ہے

میں نے چاہا جسے پوجا بھی ہے اس کو ایسے
میں جہاں جاؤں وہیں میرا حرم ہوتا ہے

بھول سکتا ہی نہیں شُکر ہو کیسے طارق
اس کا مجھ پر جو سَدا لُطف و کرم ہوتا ہے

کل اس سے ہو گئی جو ملاقات خواب میں

کل اس سے ہو گئی جو ملاقات خواب میں
پھر وہ نشہ ہوا کہ نہ ہو گا شراب میں

جوبن وہ اس کے حسن و نزاکت کا کیا کہیں
دیکھا تھا ہم نے جب اسے عہدِ شباب میں

کاغذ قلم دوات ہمارے سفیر ہیں
لکھ بھیجیں گے جو کہہ نہ سکے ہم حجاب میں

پڑھتے رہے ہیں یوں تو کتابیں کئی مگر
لکھّا ہوا ہے خاص کچھ اُس کی کتاب میں

مضمون کھول کر جو کریں گے اسے بیاں
کہہ دیں گے دل میں آئے گا جو اضطراب میں

ہو اس طرف بھی ایک نگاہِ کرم کبھی
سمجھیں گے لوگ ورنہ ہیں تیرے عتاب میں

واعظ کو شرم آتی نہیں ہم سے کچھ کہے
وہ جانتا ہے ہم جو کہیں گے جواب میں

منبر پہ چڑھ کے رات کو جو بولتا رہا
مے پی کے وہ گیا تھا ہمارے حساب میں

طارق یہ داستان تو رہنے ہی دو ابھی
قصّے ہیں گو بہت سے ابھی اُس کے باب میں

کریں سچ کا اگر اظہار دنیا آڑے آتی ہے

کریں سچ کا اگر اظہار دنیا آڑے آتی ہے
جو باطل کا کریں انکار دنیا آڑے آتی ہے

سمجھ کر ہم تمہاری ساری باتیں مان لیں گر تو
یہ ہو گی زندگی دشوار ، دنیا آڑے آتی ہے

ہمیں تو جیسے تیسے زندگی اپنی بتانی ہے
بدل جائیں اگر سرکار دنیا آڑے آتی ہے

ہمارے سامنے دن رات جو بھی کام ہوتے ہیں
ہمیں ان سے جو ہو گی عار دنیا آڑے آتی ہے

سکوں ملتا نہیں ہم کو خدا سے دور رہنے میں
کبھی آئیں جو اس دربار دنیا آڑے آتی ہے

سنا ہے لوگ دیں کو مان کر جنّت میں جائیں گے
عمل اس پر ہے مشکل یار دنیا آڑے آتی ہے

یہی ہے وقت مہدی اور مسیحا کی ضرورت ہے
ہوا ہے آسماں تیّار دنیا آڑے آتی ہے

اگرچہ ہم کو مرنا ہے خدا کو جان دینی ہے
مگر ہم کیا کریں ہر بار دنیا آڑے آتی ہے

چلو طارق تمہارا کام تھا سب کو بتا دینا
کہ دیں کا ہو جو کاروبار دُنیا آڑے آتی ہے

عام بِک جاتے ہیں بیٹھے ہیں جو بازار میں لوگ

عام بِک جاتے ہیں بیٹھے ہیں جو بازار میں لوگ
کب یقیں کرتے ہیں پڑھتے ہیں جو اخبار میں لوگ

دیکھا جو چشمِ بصیرت سے تو معلوم ہوا
کم ہیں جو صاحبِ معیار ہوں کردار میں لوگ

خوبیاں کوئی عیاں ہوتیں نہیں جیون بھر
بعد مرنے کے بیاں کرتے ہیں گُفتار میں لوگ

ظاہری آنکھ سے یوں وہ جو نظر آتا نہیں
غور کرتے ہیں جو پا لیتے ہیں افکار میں لوگ

لے کے روحانی خزائن کوئی آیا جب بھی
رہ گئے پیچھے جو آگے بڑھے انکار میں لوگ

یوں تو مشکل نہیں سچّائی کی پہچان مگر
جانتے بوجھتے ,گھبراتے ہیں اظہار میں لوگ

جان و دل روح سبھی اس پہ فدا کرتے ہیں
اپنا سب کچھ ہی لُٹا کر ہوئے خوش پیار میں لوگ

وہ محبّت میں مواخات کے قائل نکلے
بعد ہجرت کے ملے ایسے بھی انصار میں لوگ

لوگ ایسے کہاں ڈھونڈو گے زمیں پر طارق
خود ہنسا جن پہ خدا ، ایسے تھے ایثار میں لوگ

عقل کی اس سے امّید ہم کیا کریں

عقل کی اس سے امّید ہم کیا کریں
عدل کی اس کو تاکید ہم کیا کریں

دھوپ میں بیٹھ پایا نہ جو عمر بھر
سائے کی اُس سے امّید ہم کیا کریں

چھوڑ بیٹھا ہے جو اقربا اپنے ہی
پیار کی اُس سے تمہید ہم کیا کریں

زندگی جس نے سب کی بنائی مذاق
عہد کی اس سے تجدید ہم کیا کریں

وہ اگر کر نہیں پاتا ہے کچھ یقیں
نقل کی اس سے تردید ہم کیا کریں

آتے جاتے پڑے جب ہماری نظر
لوٹ کر اس پہ تنقید ہم کیا کریں

چل رہے ہیں جو ہم اپنی ہی راہ پر
بے وجہ اس کی تقلید ہم کیا کریں

وہ غلط کام کہتا ہے کرتا بھی ہے
پھر بتا اس کی تائید ہم کیا کریں

آپ ہی موت اپنی وہ مر جائے گا
طارق اب اس پہ تشدید ہم کیا کریں

مسکرانا زیرِ لب مہمان کا اچھا لگا

مسکرانا زیرِ لب مہمان کا اچھا لگا
جو تعارف بھی ہوا ، انجان کا اچھا لگا

دھیرے دھیرے آ گئے حالات سارے سامنے
مجھ کو تو اخلاق اس انسان کا اچھا لگا

اس کی شخصیّت نمایاں تھی بڑے اوصاف میں
مجھ کو ہر پہلو سے وہ ایمان کا اچھا لگا

جب بھی دیکھا غور سے میں نے اسے اب کیا کہوں
حسن کا تو ذکر کیا احسان کا اچھا لگا

کون باریکی میں جا کر دیکھتا ہے حالِ دل
دور بیں تھا وہ مجھے پہچان کا اچھا لگا

میکدے میں جب گیا میری پذیرائی ہوئی
پی کے آیا جب ، نشہ عرفان کا اچھا لگا

میں نبھاؤں گا کیا ہے اس سے جو عہدِ وفا
وہ تو اپنے عہد اور پیمان کا اچھا لگا

طارق اب سارے کے سارے ہم ہوئے اس پر فدا
اس کی خاطر اب تو سودا جان کا اچھا لگا

جب وطن میں ہی ہمارے خون ارزاں ہو گئے

جب وطن میں ہی ہمارے خون ارزاں ہو گئے
ہم بہ مجبوری سپُردِ ارضِ ہجراں ہو گئے

ہم نے آدابِ محبّت سیکھ کر اتنا کیا
ہم مثالِ خاکِ راہِ کوئے جاناں ہو گئے

اس جہاں میں تیری لو سے جو دئے روشن ہوئے
تیرگی میں نور کی کرنوں کے ساماں ہو گئے

ہم تری خاطر تواضع سے ہوئے ہیں مستفیض
جب زہے قسمت تری گلیوں کے مہماں ہو گئے

تیرے گلشن سے جو شیریں تھے ثمر جب کھا لئے
جھولیاں بھر کے روانہ شہرِ خوباں ہو گئے

ضبط میں بیٹھے رہے پر جب نظر تُجھ پر پڑی
ٹوٹ کر برسے ہیں ایسے ابرِ باراں ہو گئے

دیکھ کر تیری محبّت سارے غم رُخصت ہوئے
ہم تسلّی کے لئے آئے تھے حیراں ہو گئے

کون ایسے چاہتا ہو گا تجھے پردیس میں
طارق اب اُس سے مُلاقاتوں کے ساماں ہو گئے

آ کے محفل میں تری دل بڑا مسرور ہوا

آ کے محفل میں تری دل بڑا مسرور ہوا
دل کا آئینہ تجھے دیکھ کے پُر نور ہوا

میرے دل میں جو خیال آیا کہیں جانے کا
سامنے آ گیا چہرہ تِرا منصور ہوا

میں نے جب سے کیا اقرارِ محبّت تُجھ سے
مجھ کو ہرحال میں وعدہ تِرا منظور ہوا

ہجر میں تیرے مرے دل پہ گزرتی کیا ہے
کیسے بتلاؤں ، نہ آنے پہ ہوں مجبور ہوا

لوگ آتے ہیں ملاقات کو دنیا بھر سے
ایک عالم میں تِرا نام جو مشہور ہوا

تُجھ سے نسبت جو ہوئی ایک غلامی کی مجھے
میں اسی رشتے سے پھرتا رہا مغرور ہوا

جب سے میں نے کیا ہر کام تری مرضی سے
اپنا ہر ایک عمل دیکھا ہے مبرور ہوا

طارق اب نام ہے اس کے ہی تری شام و سحر
جس سے عرفان کی مے پی کے تُو مخمور ہوا

زندگی کا کوئی مقصد اس سے تو بہتر نہیں

زندگی کا کوئی مقصد اس سے تو بہتر نہیں
آدمی کیوں آدمی کے کام آتا پر نہیں

کیا کبھی سوچا کسی نے زندگی اک دوڑ ہے
اپنے اپنے گھر میں بیٹھے چین سے کیونکر نہیں

اس نے میری داستاں سن کر عجب یہ بات کی
تم جہاں سے آ رہے ہو وہ تو میرا گھر نہیں

ہم تو جس گھر میں گئے سب ہی وہاں خوش باش تھے
تم ہوئے مایوس جس سے وہ تو اس کا در نہیں

مجھ کو جو بے چین پایا بارہا اس نے کہا
چین سے بیٹھو یہاں تم گھر میں ہو دفتر نہیں

ہو گئے حیران جو دیکھا تماشا روز ہی
پوجتے ہیں اپنی خواہش کو خدا کا ڈر نہیں

گردوارے، مسجدیں مندر کلیسا ہیں یہاں
آنکھ پر ہوتی خدا کے سامنے بھی تر نہیں

آ کے ساقی نے یہ بتلایا ہے جھوٹی ہے خبر
میکدے میں اب کوئی جام و سبو ساغر نہیں

جبّہ پوشوں نے سنبھالا ہے جو اب ایمان کو
اب کسی کو دِیں کے بنیادی سبق ازبر نہیں

ابتدائے عشق میں گزرے تھے ہم جس دور سے
آج کانٹے پھول ہیں کیا ، راہ میں پتھر نہیں

طارق اب جاتے کہاں ہو بات پوری تو سنو
کیا جہاں مسجد تھی پہلے اب وہاں مندر نہیں؟

دل محبّت میں کسی کی چُور رکھ

دل محبّت میں کسی کی چُور رکھ
اور دل میں معرفت کا نُور رکھ

غیر کو بھی عشق کا تُو جام دے
خود کو بھی تُو ہر گھڑی مخمُور رکھ

ہو اگر انعام یا ہو ابتلا
جو بھی ہو اُس سے عطا منظور رکھ

لن ترانی سُن کے رہ اوقات میں
سامنے نظروں کے کوہِ طور رکھ

عاجزی لے لے تکبُّر کی جگہ
کامیابی میں یہی دستُور رکھ

چاہتا ہے تُو جو کوشش کا ثمر
اجر پورا دے اگر مزدور رکھ

دیکھنے کو منتظر ہے کائنات
یوں نہ اپنا حسن تُو مستور رکھ

کون ہے طارق ترِا تیرے سوا
خود کو اپنے آپ سے مت دور رکھ

دل میں کوئی بھی رہا باقی جو ارماں ہو گا

دل میں کوئی بھی رہا باقی جو ارماں ہو گا
وہ جو مل جائے تو ہر درد کا درماں ہو گا

دولتِ حسن مقدّر سے ملا کرتی ہے
اس کی جو کر لو حفاظت تو یہ احساں ہو گا

جس نے حسرت سے تمہیں دیکھ کے یوں آہ بھری
کوئی جنّت سے نکالا ہوا انساں ہو گا

میری تقدیر میں شاید یہیں رہنا ہے ابھی
لوٹ جاؤں گا میں جلدی تو وہ حیراں ہو گا

نیک و بد سارے ہی اعمال مرے ساتھ گئے
لے گیا مجھ کو کہاں میرا یہ ساماں ہو گا

ہم نے امّید تو رکھی ہے پذیرائی کی
اب تلک آ گیا لینے ہمیں رضواں ہو گا

طارق ایسے جو تسلّی سے چلے آئے ہو
راستہ کوئی چُنا تم نے بھی آساں ہو گا

جو اس نے بانٹ دیے روح کے خزانے تھے

جو اس نے بانٹ دیے روح کے خزانے تھے
اسے تو ہر جگہ دنیا میں وہ لُٹانے تھے

وہ لے کے آ گیا موسم کے بیج ہاتھوں میں
زمین دیکھ کے عمدہ کہیں لگانے تھے

دیا ہے اس نے یہ پیغام ساری دنیا کو
وہی ہے بچھڑے ہوئے جس نے سب ملانے تھے

نہ آسکے تمہیں ملنے تو کچھ سبب ہو گا
تمہارے پاس تو آنے کے سو بہانے تھے

ہم آتے جاتے ملاقات کرلیا کرتے
ہماری زندگی میں ایسے دن بھی آنے تھے

دِکھا ہے چاند تو ہم چل پڑے ہیں ساتھ اس کے
ستارے اس کے جلو میں ہی جگمگانے تھے

خوشا کہ وقت ملا ہے ہمیں یہ قسمت سے
کہ انتظار میں جس کے کئی زمانے تھے

مسیحا آگیا طارق بپا قیامت ہے
اسی نے آ کے تو مُردے سبھی ، جِلانے تھے

انہیں سر ڈھانپنے کا گر کہیں سر درد رکھتے ہیں

انہیں سر ڈھانپنے کا گر کہیں سر درد رکھتے ہیں
چھپا کر عیب اپنے ،خود کو وہ بے پرد رکھتے ہیں

حیا عورت کا زیور ہے پہن کر گھر سے نکلے جب
نگاہیں پھر جُھکا کر اپنی ، اکثر مرد رکھتے ہیں

سُنا کر حالِ دل اپنا ، چھپا کر درد رکھتے ہیں
وہ کترا کر گزرتے ہیں جو چہرہ زرد رکھتے ہیں

زبوں حالی میں رہ کر خود ، کسی کا حال کیا پوچھیں
مجھے حیرت ہے ان پر جو دلِ بے درد رکھتے ہیں

ہمیں ان سے گلہ شکوہ نہیں ہوتا مگر پھر بھی
مزاج اپنا ، ہو رنجش بھی اگر ، وہ سرد رکھتے ہیں

بہاروں میں شجر سارے ہی سبزہ اوڑھ لیتے ہیں
خزاں میں گرچہ تھوڑی دیر پتے زرد رکھتے ہیں

جُدائی میں ہماری یاد ان کو آ رہی ہوگی
اکیلے ہوں اگر تو رابطہ سب فرد رکھتے ہیں

خدا کی راہ میں چلتے ہوئے ہم پر جو پڑتی ہے
سر آنکھوں پر ہم اس کے راستے کی گرد رکھتے ہیں

کہیں طارق تمہارے دل میں بھی کوئی شکایت ہو
غنیمت ہے کہ تم جیسے دلِ ہمدرد رکھتے ہیں

میرے افکارِ پریشاں بھی تُمہی ہوتے ہو

میرے افکارِ پریشاں بھی تمہی ہوتے ہو
دل کی تسکین کا ساماں بھی تمہی ہوتے ہو

نور در نور کی چادر میں منوّر پیکر
میری نظروں میں وہ انساں بھی تمہی ہوتے ہو

تم محبّت پہ مری ناز بھی کرتے ہو مگر
میرے اخِلاص پہ حیراں بھی تمہی ہوتے ہو

فرطِ جذبات میں بے خود میں اگر ہو جاؤں
میرے اس شوق پہ قرباں بھی تمہی ہوتے ہو

میں بھٹک جاتا ہوں دنیا کی چکا چوند میں جب
راہ دکھلانے کا ساماں بھی تمہی ہوتے ہو

زخم ہر بار رقیبوں سے جو ملتا ہے مجھے
میرے ہر درد کا درماں بھی تمہی ہوتے ہو

جب اندھیروں میں زمیں راستہ اوجھل کر دے
تب فلک پر مہِ تاباں بھی تمہی ہوتے ہو

دور منزل ہے مری راہ کٹھن ہے لیکن
مشکلیں کرنے کو آساں بھی تمہی ہوتے ہو

میں تمہارے ہی لئے شعر کہا کرتا ہوں
میری سب غزلوں کا عنواں بھی تمہی ہوتے ہو

تم خلافت کی رِدا اوڑھ کے آئے ہو مگر
بادشاہ از درِ یزداں بھی تمہی ہوتے ہو

طارق اس دور میں دل تم بھی کہاں دے بیٹھے
اب سرِ کوچۂ جاناں بھی تمہی ہوتے ہو

اک حسیں خواب کی تعبیر دکھاتے جاتے

اک حسیں خواب کی تعبیر دکھاتے جاتے
ہم سے مل جاتے اگر آپ بھی آتے جاتے

ہے کوئی ایسی جگہ یاد نہ آؤ گے جہاں
ہم کہاں جائیں گے تم اتنا بتاتے جاتے

تم نے جانا تھا بصد شوق چلے جاتے مگر
کوئی اچھا سا بہانہ تو بناتے جاتے

یہ مری خوبیٔ قسمت تھی کہ تھا عشق مرا
لوٹ آئے ہیں کئی بار وہ جاتے جاتے

وہ سرِ شام جلا دیتا ہے یادوں کے دیے
ہم سے اتنا نہ ہوا ان کو بجھاتے جاتے

وہ تو دھڑکن کی طرح ساتھ لگا ہے دل کے
دل رکے جب تو ہیں سینے کو دباتے جاتے

مکتبِ عشق میں داخل ہوئے اب دیر ہوئی
وہ نیا کوئی سبق ہم کو پڑھاتے جاتے

صبر سے ہم نے سہا عشق میں جو بھی گزرا
وہ دلاسہ ہی کوئی دل کو دلاتے جاتے

اس نے وعدہ ہی نہیں ہم سے کیا آنے کا
اس کے رستے میں یہ ہم آنکھیں بچھاتے جا تے

ہم کئی بار گئے ان سے فقط اتنا کہا
فیصلہ کوئی ہمارا بھی سناتے جاتے

وہ سرِ شام جو آ جاتا سرِ بام تو ہم
اس کی چو کھٹ پہ کوئی دیپ جلاتے جاتے

اس کے آنے کی خبر سن کے چراغاں کرتے
ہم تو ہر روز ہی دیوالی مناتے جاتے

ہم نے کچھ اور تو مانگا نہیں طارق تم سے
ساتھ دینے کا جو وعدہ تھا نبھاتے جاتے

ہمیشہ سے مرے دل میں کوئی آباد رہتا ہے

ہمیشہ سے مرے دل میں کوئی آباد رہتا ہے
جو سچ اور جھوٹ کی پہچان میں آزاد رہتا ہے

میں چپ رہ کر سنا کرتا ہوں اس کے مشورے یوں تو
عمل اس کے کہے پر گر کروں ، وہ شاد رہتا ہے

تمہیں کیسے سُنائیں حال اپنی بےخودی کا ہم
اسیر زلفِ جاناں ہو جو کب ناشاد رہتا ہے

بھلے دن تھے کہ مل جاتے تھے کوئی آشنا چہرے
مگر اُجڑے چمن میں کوئی کب آباد رہتا ہے

چمن کو گلفروشوں نے کیا خالی گلابوں سے
وہاں بلبل کوئی محوِ غم و فریاد رہتا ہے

پرندے اڑ گئے اپنے گھروں کو شام سے پہلے
قفس تھامے، مگر اب بھی وہاں صیّاد رہتا ہے

مجھے تو پھونک کر رکھنا قدم ہے جس طرف جاؤں
یہاں ہر موڑ پر میرا کوئی نقّاد رہتا ہے

انا الحق کی صدا اب بھی اُٹھا کرتی ہے شہروں میں
اگرچہ ہر گلی میں اب کوئی جلاّد رہتا ہے

مجھے تو صبر کرنا ہے، مجھے حق بات کہنی ہے
مرے پیشِ نظر ہر دم یہی ارشاد رہتا ہے

جب خزاں آئے تو پتّے بھی بتا دیتے ہیں

جب خزاں آئے تو پتے بھی بتا دیتے ہیں
بوجھ بن جاؤ تو اپنے بھی گرا دیتے ہیں

وہ کڑی دھوپ سے رکھتے ہیں بچا کر یوں تو
آگ لگ جائے تو پتّے بھی ہوا دیتے ہیں

گر نہ ایندھن ملے ، مہماں کی ضیافت کے لئے
گھر کا سامان بھی ہم لوگ جلا دیتے ہیں

اور ہوں گے جو تری راہ میں حائل ہوں گے
ہم تو ہر ایک کو آنے کی صدا دیتے ہیں

ہم کسی اور کے ہو جائیں یہ سوچا ہی نہیں
جانے کیوں لوگ محبّت کی سزا دیتے ہیں

زندگی ایک امانت ہے ، خیانت کیسی
ہم تو ہر پل تری مرضی سے بِتا دیتے ہیں

اشک سے خالی ہے گر آنکھ تو غم کیسا ہے
ابر جب چھلکیں تو دریا وہ بہا دیتے ہیں

طارق اب اور نہیں کوئی مداوا دل کا
زخم ہی میرے ، مرا سینہ سجا دیتے ہیں

جنوں میں جیسی بھی گزری گزارے بیٹھا ہوں

جنوں میں جیسی بھی گزری گزارے بیٹھا ہوں
یہ مت سمجھنا خرد کے سہارے بیٹھا ہوں

مجھے کسی نے کہا تھا کہ اب چلے آؤ
میں انتظار میں اب بھی تمہارے بیٹھا ہوں

تم آؤ کچے گھڑے پر کہا تھا کس نے تمہیں
تمہیں پتہ تھا میں دریا کنارے بیٹھا ہوں

پہاڑ کھود کے نہریں نکالنی ہیں مجھے
کہا یہ کس نے تمہیں شرط ہارے بیٹھا ہوں

تمہارے ہجر میں چمکے ہیں جو سرِ مژگاں
میں اشک اپنے سمجھ کر ستارے بیٹھا ہوں

جو سن سکو تو کہوں داستان اپنی بھی
میں کھو کے دوست بہت اپنے پیارے بیٹھا ہوں

فنا کے رستے پہ جب چل پڑے تو کیا پروا
میں دیکھ کر یہاں طارق اشارے بیٹھا ہوں

مرا بھی خون بہا تھا چمن بنانے میں

مرا بھی خون بہا تھا چمن بنانے میں
انہیں یہ ذکر گوارا نہیں فسانے میں

جنوں میں آکے خرد نے بھی ساتھ چھوڑ دیا
خرد پہ دور یہ آیا ہے اس زمانے میں

گماں ہے اس کو کوئی عیب اب نہیں باقی
اگرچہ وقت لگا آئینہ چھپانے میں

اسی لئے تو نہیں کوئی توڑ پایا مجھے
بنا ہوں میں بھی تو قدرت کے کارخانے میں

حسین دیکھے جو دنیا کے روز و شب تو کہا
کسی کو وقت لگا ہو گا سب سجانے میں

وہ لوٹ آیا ہے ساقی ، خیال یہ کر کے
کوئی بھی جام نہ باقی رہا مے خانے میں

کسی درخت پہ بیٹھا رہا تھا شب بھر جو
پہنچ سکا وہ پرندہ نہ آشیانے میں

اس امتحان سے گزرا ہوں بارہا طارق
اُسے بھی تجرِبہ ہے مجھ کو آزمانے میں

❀ ❀ ❀

میں ہمکلام ہوا اس سے بے خودی میں تھا

میں ہمکلام ہوا اس سے بے خودی میں تھا
مرا سفر تو کٹا سارا تشنگی میں تھا

اسے ملا ہوں تو احساس اور گہرا ہوا
اسی کا عکس مری ساری زندگی میں تھا

حساب لیتے ہوئے یونہی مجھ کو جانے دے
مرا تو لکھّا ہوا نام بندگی میں تھا

تری تلاش میں مجھ کو اگرچہ وقت لگا
کمال لطف ملا تیری آگہی میں تھا

وہ ہم سفر تھا مگر میرے ساتھ چل نہ سکا
میں تیز روشنی میں تھا وہ تیرگی میں تھا

کہاں ملا ہے سکوں دل کو ظلم کر کے کبھی
اسے ملا یہ سبق امن وآشتی میں تھا

اسی نے پایا جو سب چھوڑ کر چلا آیا
ہوا یہ تجربہ مجھ کو بھی عاشقی میں تھا

نہ جانے دشمنی حائل ہوئی کہاں طارق
ملایا ہم نے تو ہاتھ اس سے دوستی میں تھا

ہم فقط ہاتھ میں قرطاس و قلم رکھتے ہیں

ہم فقط ہاتھ میں قرطاس و قلم رکھتے ہیں
پھر بھی کیوں لوگ روا ظلم و ستم رکھتے ہیں

سُود مندانِ بلا سے کوئی پوچھو تو سہی
وہ بھی کیا مُردے جلانے کا دھرم رکھتے ہیں

آ گئے آنے کو یہ ہم سے مگر مت پوچھو
پیش کرنے کے ہیں قابل جو کرم رکھتے ہیں؟

ہم نے بدلے نہیں پیمانے وفا کے کوئی
ہم بہ ہر حال محبّت کا بھرم رکھتے ہیں

ہم نے مایوس ترے در سے نہ جاتے دیکھے
جو بھی آ کر ترے کوچہ میں قدم رکھتے ہیں

ہم فرشتوں سے ہوں بہتر یہ ضروری تو نہیں
وہ تو آگاہیٔ مُلکِ عدم رکھتے ہیں

جاں بہ لب دیکھ کے اس نے تو فقط اتنا کہا
تشنگی اور ذرا دیر ، کہ دم رکھتے ہیں

طارق آؤ تو ذرا جھانک کے دیکھیں دل میں
کیا وہاں کعبے میں ہم اب بھی صنم رکھتے ہیں؟

ایک چھوٹے سے مکاں میں تھے محل میں آئے

ایک چھوٹے سے مکاں میں تھے محل میں آئے
راہبر ایسے ملے، ہم نہ دجَل میں آئے

جب محمد ہوئے مدفون ہیں اس دنیا میں
حضرتِ عیسیٰ بھی پھر دامِ اجل میں آئے

موت کا ذائقہ چکھتے ہیں سبھی شاہ و گدا
کوئی ہر روز ہی تدفین عمل میں آئے

جب زمیں مثلِ بہشت اونچی پنہ گاہ بنی
آسماں اس کے لئے کیسے خلل میں آئے

آشتی ، صلح کا پیغام مسیحا نے دیا
اب کہاں فتح بھلا جنگ وجدل میں آئے

اب تو مدّت سے تری یاد ستاتی بھی نہیں
اشک آنکھوں میں کہاں ہجر کے پل میں آئے

ہجر کے بعد ہوا کرتا ہے جو وصل نصیب
اور شیرینی ذرا صبر کے پھل میں آئے

لن ترانی کی صدا پھر سے سنائی دی ہے
زلزلہ پھر سے کوئی طُور جبل میں آئے

ذکر آیا نہیں گر اس میں کسی مہ رُخ کا
کیوں مزہ آپ کو طارق کی غزل میں آئے

کون پہچان پائے انساں کو

کون پہچان پائے انساں کو
جانے کب مات دے یہ حیواں کو

آجکل کون یاد رکھتا ہے
بھول جاتے ہیں لوگ احساں کو

کب سے وہ دن گئے کہ جب دنیا
پوچھا کرتی تھی اپنے مہماں کو

کیا قیامت ہے اور بھی کوئی
ہے تجسّس یہ چشمِ حیراں کو

کیا تباہی کا پھر نہیں امکاں
لے کے آئے وہ حشر ساماں کو

اپنی تر دامنی پہ ناز نہ کر
کیا ہوا مجھ سے تنگ داماں کو

پھر سے مل بیٹھیں گے امیر و غریب
دل میں رکھو بچا کے ارماں کو

حادثے یوں بھی ہو ہی جاتے ہیں
توڑ بیٹھے جو عہد وپیاں کو

آئی خوشبو تھی ہم نہیں یونہی
چل دئے اُٹھ کے سب گُلستاں کو

ہم بھی تقدیر اپنی پوچھیں گے
جب بھی فرصت ملے گی ، یزداں کو

طارق اس سے ہی سیکھ پاؤ گے
تم جو پڑھ لو قلم کے سلطاں کو

عشق ہر چاہنے والے کا تو ناکام نہیں

عشق ہر چاہنے والے کا تو ناکام نہیں
ہم محبّت میں ہوئے یونہی تو بدنام نہیں

ہم غمِ دہر سے آزاد ہوئے ہیں جب سے
اب غمِ جاں، غمِ محبوب سے آرام نہیں

اب کے سیلاب کا کچھ اور سبب لگتا ہے
یہ مصیبت ہے کوئی گردشِ ایّام نہیں

تم جو کرتے ہو طواف اس کا کبھی بوسہ لے کر
خانہ کعبہ ہے یہ عاشق کا در و بام نہیں

روٹھتا ہے وہ مگر آج تلک یہ نہ ہوا
ہم منانے کو گئے ہوں ، وہ ہوا رام نہیں

وہ دعا سنتا ہے اب بھی وہ ہمارا ہے خدا
کیا سمیع اور مجیب اس کے حسیں نام نہیں

تم جو جاتے ہو چمن کو تو نظر میں رکھنا
پھر تو صیّاد نے پھیلایا وہاں دام نہیں

طارق اُٹھو تو نظر تم کو بھی آ جائے وہ
بام پر رات کو آتا ہے سرِ شام نہیں

ذرّے میں بند ہے جو قیامت یہ کس لئے

ذرّے میں بند ہے جو قیامت یہ کس لئے
دل اس کا چیرنے میں ندامت یہ کس لئے

مانند جو شجر کے اُٹھے گا اب دُھواں
سوچو کہ آ رہی ہے شامت یہ کس لئے

انسان دشمنی کرے حیوان کی طرح
جدِّت میں ڈھل گئی ہے قدامت یہ کس لئے

ہیں اُس کے آزمانے کے پیمانے مختلف
قدرت نے اس کو دی بھلا قامت یہ کس لئے

طاقت پہ اپنی ناز ہے اس کو ہوا کرے
ہم کو دکھا رہا ہے جسامت یہ کس لئے

دانش میں بڑھ گیا ہے اگر آدمی تو پھر
دیوانگی کی اس میں علامت یہ کس لئے

آخر کو ہو ہی جائے گا احساس ایک دن
بھیجی ہے جو خدا نے امامت یہ کس لئے

سامان ہو گیا ہے ہماری پناہ کا
قائم جو کی گئی ہے نظامت یہ کس لئے

لوگوں کو ہو رہی ہے جو یہ حق کی جستجو
ہر روز دیکھتے ہیں کرامت یہ کس لئے

طارق تو خوش نصیب ہے آگاہ ہو گیا
اب تک رہے جو ہم ہیں سلامت یہ کس لئے

نور وہ ماہتاب سا ہو گا

نور وہ ماہ تاب سا ہو گا
اس کا چہرہ کتاب سا ہو گا

جب چڑھا وہ مہِ چہار دہم
بدر وہ آفتاب سا ہو گا

معرفت ہو گی اس کی باتوں میں
علم و فن لا جواب سا ہو گا

وہ جو اترے گا پھر منارے پر
کام اس کا شتاب سا ہو گا

لے کے روشن نشان آئے گا
دور ہیں وہ عقاب سا ہو گا

آسماں بھی نشاں دکھائے گا
مہر و مہ پر نقاب سا ہو گا

کشتیِٔ نوح ہو گی دنیا میں
اور اک سیلِ آب سا ہو گا

کوئی کیڑا زمیں پہ پھیلے گا
وہ بھی جیسے عتاب سا ہو گا

پھر بھی لوگوں کو ماننے میں اسے
کوئی حائل حجاب سا ہو گا

جگ میں پیغام اس کا پہنچے گا
جب نہ مانے عذاب سا ہو گا

مان کر اس کو امن پائیں گے
ان کا آساں حساب سا ہو گا

عاقبت ان کی سنورے گی طارق
باقی عالم سراب سا ہو گا

میں تو لکھتا ہوں کبھی چاہے جو من ہے میرا

میں تو لکھتا ہوں کبھی ،چاہے جو من ہے میرا
طفلِ مکتب ہوں یہ آغازِ سُخن ہے میرا

گھر کی دیواروں نے گاتے ہوئے سُن رکھا ہے
صوت و آہنگ سے اتنا سا لگن ہے میرا

میری بیماری میں پھولوں نے عیادت کی ہے
یوں تو خوشبو سے بھرا رہتا چمن ہے میرا

میرے اسلاف میں گو نام بڑے ہیں لیکن
ہر طرف اب، مری پہچان ،چلن ہے میرا

وہ تو خود سے بھی زیادہ کرے احساں مجھ پر
اتنا سادہ سا ، دیا لوُ وہ ، سجن ہے میرا

وہ جو آئے تو خزاؤں میں بہار آ جائے
وہ گلاب ایسا رہے ، خندہ دہن ہے میرا

میں کسی اور کا سوچوں مجھے فرصت ہی نہیں
اس کی باتوں میں یہ دل اتنا مگن ہے میرا

ہے جو پرواز ، تخیُّل کی مرے ، اتنی بلند
اپنے افلاک سے کچھ دور گگن ہے میرا

دلِ بیتاب کی دھڑکن کو سنبھالو طارق
ہے وہ مائل بہ کرم ، جلد مِلن ہے میرا

کامیابی پر وہ اترائیں تو اترائیں گے کیا

کامیابی پر وہ اترائیں تو اِترائیں گے کیا
دل ہمارا جیت کر جائیں تو کر جائیں گے کیا

آنا چاہیں حضرتِ ناصح تو آجائیں مگر
اس سے پہلے یہ تو سمجھائیں کہ سمجھائیں گے کیا

آپ دنیا میں کریں دل کھول کر جو دل کرے
روزِ محشر آپ بتلائیں تو بتلائیں گے کیا

عمر جب عشقِ بتاں میں کاٹ دی ہے آپ نے
اب مسلماں آپ ہو جائیں تو ہو جائیں گے کیا؟

آپ بھی تو حوصلہ کر کے قدم بڑھایئے
وہ قریب آنے سے شرمائیں تو شر مائیں گے کیا؟

دولتِ دنیا سے حاصل ساری خوشیاں تو نہیں
چینِ دل آرامِ جاں پائیں یہاں ، پائیں گے کیا؟

ایک دن جانا تو ہے سب کو خدا کے سامنے
کوئی نیکی گر نہ لے جائیں تو لے جائیں گے کیا

دامنِ احمد سے وابستہ ہماری کل حیات
اس سے باہر کچھ اگر پائیں تو پھر پائیں گے کیا

جن کو دنیا سے ہوئے رخصت بھی اب مدّت ہوئی
طارق اب کہتے ہیں واپس آئیں گے ،آئیں گے کیا؟

ابتدا میں تو ہر اک انسان کو بھائے کبھی

ابتدا میں تو ہر اک انسان کو بھائے کبھی
اتّباعِ نفسِ امّارہ پہ آ جائے کبھی

پوری آزادی سے کر گزرے جو اُس کا چاہے دل
اِس سے بڑھ کر جینے کا مقصد نہ وہ پائے کبھی

پھر شعور اس کا ترقی جب کرے کچھ خُلق میں
نفسِ لوّامہ مدد کو اس کی آ جائے کبھی

وہ ملامت بھی کرے ،کوئی بدی سرزد جو ہو
اور نیکی چھوڑ دینے پر وہ پچھتائے کبھی

ایک عرصے تک رہے وہ ایسی حالت میں مگر
چینِ دل ، آرامِ جاں پھر بھی نہ وہ پائے کبھی

استقامت سے روانہ جب رہے منزل کو وہ
راستے کی کوئی مشکل روک نہ پائے کبھی

مُطمئنّہ سے اسے آواز آئے ایک دن
اب خدا راضی ہے تُجھ سے، دور کب جائے کبھی

اس کے بندوں میں تُو داخل ہو کہ جنَّت ہے یہی
اس کی مرضی ہے یہی وہ راضی ہو جائے کبھی

طارق اب تُو مطمئنّہ کے لئے کوشش تو کر
اس جہاں میں ہے یہی جنَّت ، جو ہاتھ آئے کبھی

ہر اِک سنگِ سیہ کعبے کے کونے میں نہیں آتا

ہر اک سنگِ سیہ کعبے کے کونے میں نہیں آتا
ہو پتھر دل ، سیہ دامن تو ، دھونے میں نہیں آتا

اگر کوئی ملمّع ، دیکھنے میں بھی سنہرا ہو
چمک جانے سے بھی زیور ، وہ سونے میں نہیں آتا

زمانے میں بہت کچھ ہو گیا ہے ارتقا دیکھو
مگر جو چاہئے ہونا، وہ ہونے میں نہیں آتا

جو بوئیں وقت پر وہ بیج ، پھلتے پھولتے ہیں پھر
مزہ ، موسم نہ ہو تو ، فصل بونے میں نہیں آتا

مجھے تم سے زیادہ ، تم سے ملنے کی تمنّا ہے
مگر کمبخت موسم ، ٹھیک ہونے میں نہیں آتا

بہت کچھ کھو دیا پہلے ہے میں نے سودے بازی میں
مگر دل کھو دیا جائے تو کھونے میں نہیں آتا

مری چشمِ تصوّر سے وہ ہو سکتا نہیں اوجھل
نہ آئے خواب میں تو لُطف سونے میں نہیں آتا

اگر دل ساتھ آنکھوں کا نہ دے تنہائی میں طارق
سکوں راتوں کے سجدوں میں بھی رونے میں نہیں آتا

درد آشنا سے ہم شہِ رگ سے قریب ہیں

درد آشنا سے ہم شہِ رگ سے قریب ہیں
یہ جان کر ہی درد ہمارے حبیب ہیں

ہر شخص ایک نسخہ بتاتا ہے اب ہمیں
بیمار ہو کے علم ہوا ، سب طبیب ہیں

قدرت کے کارخانے کا دیکھو تو انتظام
جتنے بھی کاروبار ہیں اس کے عجیب ہیں

یہ تو نہ تھا کہ مرتبہ تھا اس قدر بلند
ہم اس کے در پہ آ گئے تھے خوش نصیب ہیں

ہم پر بھی ایک نظرِ کرم ڈال دیجئے
ہم آپ کی طرح ہی وطن سے غریب ہیں

وہ جن سے ذکرِ خیر تِرا سر سری چلا
سُنتے ہیں آجکل وہ ہمارے رقیب ہیں

دیکھے ستم گروں میں کئی آشنا بھی آج
صیّاد ہیں گو دیکھنے میں عندلیب ہیں

شعر و سُخن کی اب یہاں قیمت نہیں رہی
کیا انقلاب ہے ، ہوئے ارزاں ادیب ہیں

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
طارق نے کب کہا ترے عبدِ منیب ہیں

حیرانگی سے میں ہوا دو چار دو گھڑی

حیرانگی سے میں ہوا دو چار دو گھڑی
ہوتا ہے راستہ کبھی دشوار دو گھڑی

اس نے قلم کو رکھ دیا ہے اپنے ہاتھ سے
یہ ماننے کو میں نہ تھا تیّار دو گھڑی

اس واسطے رُکا تھا وہ تھوڑی سی دیر کو
ستا لیں راستے میں تھے اشجار ، دو گھڑی

منزل تو دور ہے ابھی چلنا ہے دور تک
محفل میں اپنے یار ہیں دو چار دو گھڑی

آسان کب ہوا ہے کبھی عشق کا سفر
پھر کیا عجب کہ ہو گئے بیمار دو گھڑی

طارق ترے جو رہنما ہیں ان میں یہ بتا
دیکھے کہیں تکان کے آثار دو گھڑی؟

یاد تیری ہمیں مدّت ہوئی آتی بھی نہیں

یاد تیری ، ہمیں مدّت ہوئی آتی بھی نہیں
آ بھی جائے تو وہ پہلا سا ستاتی بھی نہیں

فصلِ گل کاٹتے ان کو بھی زمانہ گزرا
وہ جو خوشبو سی ، چمن میں ہے وہ جاتی بھی نہیں

اب کے آنگن میں نئے طور سے چاند ابھرا ہے
چاندنی اس کی زمیں پر نظر آتی بھی نہیں

تم ہی برسات کے موسم میں چلے آئے ہو
اشک ورنہ یہ مری آنکھ بہاتی بھی نہیں

داستاں اپنی اب اتنی بھی تو دل سوز نہیں
تیری پلکوں پہ جو موتی ہیں گراتی بھی نہیں

تیرے آ جانے سے رنگوں کی بہار آئی ہے
ورنہ آئی تھی خزاں ایسی کہ جاتی بھی نہیں

ریختہ کا کہیں ہو جائے نہ تو دیوانہ
ہو گئی اس سے محبّت تو وہ جاتی بھی نہیں

طارق انداز تِرا اجنبی لگتا ہے ذرا
صاف کہہ دینے کی عادت تری جاتی بھی نہیں

پاتا ہے آدمی تو خزانے کوئی کوئی

پاتا ہے آدمی تو خزانے کوئی کوئی
اور دیکھتا ہے خواب ،سہانے کوئی کوئی

فطرت کھلی کتاب ہے جو چاہے دیکھ لے
رازِ درونِ خانہ تو جانے کوئی کوئی

غاروں میں رہ کے لوگ گزارہ کریں مگر
آتا ہے شہر کو تو بسانے کوئی کوئی

صحرا میں کیسے آئے گا طوفان، سب کہیں
آتا ہے اُس میں کشتی بنانے کوئی کوئی

سچ دیکھنے کو آگ میں پھینکیں سبھی مگر
آتا ہے اپنی پیاس بجھانے کوئی کوئی

ہر دور میں طلسم و تماشہ دکھائیں لوگ
آتا عصا ہے ، سانپ بنانے کوئی کوئی

فرعونِ وقت ، حق کے تعاقب میں ہیں سبھی
ہوتا ہے غرق کون ، یہ جانے کوئی کوئی

کتنے ہی لوگ چڑھ گئے سچ کی صلیب پر
چڑھتا ہے آسمان پہ جانے کوئی کوئی

کرتے ہیں معجزات کا سب ہی مطالبہ
پر ان کو دیکھ کر بھی تو مانے کوئی کوئی

اخلاق معجزے سے زیادہ ہیں پُر اثر
ترکش میں ڈال، تیر یہ ، تانے کوئی کوئی

طارق پڑھو جو خود کو تو شاید یہ جان لو
ہوتے ہیں آدمی بھی خزانے کوئی کوئی

اُس ترے شہر میں جائیں بھی تو جائیں کیسے

اُس ترے شہر میں جائیں بھی تو جائیں کیسے
راستے میں ہے بلا ، کرب چھپائیں کیسے

ان دنوں اور بھی چرچا ہے تری رنجش کا
تُو جو ناراض ہے اب تُجھ کو منائیں کیسے

ہم تو بے بس ہیں فقط یاد کئے جاتے ہیں
تیرے احسان ہیں اتنے کہ بھلائیں کیسے

ہم جو توبہ کی بھی توفیق تجھی سے پائیں
ہم ترے در پہ نہ آئیں تو نہ آئیں کیسے

تُو نے سب کام ہمارے ہیں سنوارے ہر دم
اب کے بگڑی کو بنائیں تو بنائیں کیسے

راستہ چلتے بھی اب بھیڑ ہوئی جاتی ہے
سانس لینے کی بھی تکلیف اٹھائیں کیسے

ہم ترے سامنے جھکتے ہیں تو چین آتا ہے
غیر کے سامنے اب سر کو جھکائیں کیسے

طارق اب تجھ سے کہے ، رحم کی بارش کر دے
تشنہ لب روح کی ہم پیاس بجھائیں کیسے

جلد پورا کوئی ارمان ہوا چاہتا ہے

جلد پورا کوئی ارمان ہوا چاہتا ہے
میرا دلبر مرا مہمان ہوا چاہتا ہے

اس کی یادیں جو چلی آئی ہیں نغمہ بن کر
یوں لگے وصل کا سامان ہوا چاہتا ہے

دو گھڑی صبر سے انعام کمایا ہم نے
امتحاں پھر کوئی آسان ہوا چاہتا ہے

روشنی پھیلے گی ہر سمت چراغاں ہو گا
گھر میں اب جشن کا سامان ہوا چاہتا ہے

اب یقیناً وہ نظر آئے گا کم نظروں کو
وہ ہلال اب مہِ تابان ہوا چاہتا ہے

اب سرِ عام مسیحائی کا فیضاں ہو گا
دہر کے درد کا درمان ہوا چاہتا ہے

اس کی خوشبو کی ہواؤں نے خبر دی ہے مجھے
اب چمن میں بھی یہ اعلان ہوا چاہتا ہے

طارق اب خواب حقیقت میں بدل جائے گا
تُو نے سوچا ہے جو ہر آن ، ہوا چاہتا ہے

مجھ سے وہ بے حجاب پہلے نہ تھا

مجھ سے وہ بے حجاب پہلے نہ تھا
چہرہ یوں بے نقاب پہلے نہ تھا

یوں ہر آہٹ پہ دل تھا کب دھڑکا
دل میں یہ اضطراب پہلے نہ تھا

جھوم کر اب گھٹا جو اُٹھی ہے
آنکھ میں سیلِ آب پہلے نہ تھا

رنجشیں بڑھ گئی ہیں جانے کیوں
موسم اتنا خراب پہلے نہ تھا

راس آئی نہیں ہے تشنہ لبی
ہر قدم پہ سراب پہلے نہ تھا

وصل کی شب نہ کوہِ طور ہو دل
اس کا جلوہ تو خواب پہلے نہ تھا

وہ جو اُترا ہے چودھویں کی رات
بدر وہ ماہ تاب پہلے نہ تھا

لوٹ آیا ہے وقت اس کے ساتھ
اس پہ ایسا شباب پہلے نہ تھا

میں نشے میں تو تھا حواس میں تھا
وہ مرے ہمرکاب پہلے نہ تھا

اس کی خاطر ہو زندگی طارق
ہے جو لبِّ لباب پہلے نہ تھا

تم ہم کو کیا سمجھاتے ہو ، حالات کی نیت ٹھیک نہیں

تم ہم کو کیا سمجھاتے ہو ،حالات کی نیت ٹھیک نہیں
ہم گزرے اس سے پہلے بھی ، اس رات کی نیت ٹھیک نہیں

جب مشعل روشن ہو شب بھر ، پروانے جان تو دیتے ہیں
کیوں جگنو بن کر راہ چلیں ، ظلمات کی نیت ٹھیک نہیں

ہم پھل کھانے تو آ جاتے ، ہم مالی کو سمجھا لیتے
پھل پکنے میں پر دیر لگی ، باغات کی نیّت ٹھیک نہیں

دامن میں یوں تو بھر بیٹھے دنیا کی ساری خوشیاں تم
اب وقتِ سفر ارمان لئے خدشات کی نیّت ٹھیک نہیں

جب ان کا سینہ شق ہو گا، برباد کریں گے دنیا کو
اب قابو میں انسانوں کے ذرّات کی نیّت ٹھیک نہیں

وہ کب تک تم سے کھیلے گا ، بہکائے گا انسانوں کو
ابلیس کو اب خوش کرنے کی ، حرکات کی نیّت ٹھیک نہیں

پیدا تو کریں آ سائش یہ جو رابطے ہوں یوں چٹکی میں
رشتوں کی حلاوت ختم کریں ، آلات کی نیّت ٹھیک نہیں

طارق تم دیکھو دنیا میں انصاف کہاں پر ملتا ہے
جب جھوٹے سچے ہو جائیں ، جذبات کی نیّت ٹھیک نہیں

یہ سال ختم ہوا ہے خدا خدا کر کے

یہ سال ختم ہوا ہے خدا خدا کر کے
کریں گے اب تو نئی صُبح ہم دُعا کر کے

بہت سے ابتلا آئے ہیں اور گئے ہیں بہت
گزار ہم نے دیئے ہیں سبھی وفا کر کے

یہ مانتے ہیں کہ ہم ہی قصور وار رہے
اسی کے سامنے جُھکتے ہیں ہم خطا کر کے

اسی کے در سے بھری ہے کبھی جو خالی ہوئی
کہ ہم نے رکھی ہے جھولی تو اپنی وا کر کے

جو اضطراب ہو منظر عجیب ہوتا ہے
پکارتے ہیں اسی در پہ سب صدا کر کے

کچھ ایسا اس سے تعلّق ہے اُستوار اپنا
کوئی دکھائے ہمیں اُس سے اب جُدا کر کے

سبق دیا ہے یہی ، جانے والے سالوں نے
ملا جو وقت ، کریں شُکر ہم ، غنا کر کے

ہم ایک شب تو گزاریں کچھ اس طرح طارق
اسی کو مانگ لیں ہم اس سے التجا کر کے



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ڈاکٹر طارق انور باجوہ ضلع لائلپور (حال فیصل آباد) کے ایک گاؤں میں پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اپنے والدین کے ساتھ سندھ آگئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۷۰ میں کیڈٹ کالج حسن ابدال چلے گئے جہاں سے ۱۹۷۵ میں ایف ایس سی کیا ۱۹۸۲ میں لیاقت میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کے بعد پاکستان فوج میں شمولیت کی۔ ۱۹۹۰ میں میجر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر لندن آگئے یہاں سے سرجری کی ڈگری ایف آر سی ایس لینے کے بعد تین سال کے لئے وقف کر کے تنزانیہ مشرقی افریقہ میں بطور ڈاکٹر کام کیا۔ واپس آ کر جنرل پریکٹس کا شعبہ اختیار کیا۔ مسلم ٹیلیوژن احمدیہ پر ۱۳ سال بطور اردو نیوز پروڈیوسر اور نیوز پریزنٹر کام کیا۔ آج کل ریڈیو وائس آف اسلام یو کے سے منسلک ہیں۔ شاعری سے دلچسپی تو طالبِ علمی سے تھی لیکن باقاعدہ شاعری کا آغاز جون سنہ ۲۰۲۰ سے کیا۔ "**لبّ ِلباب**" ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس کا غزلیات کا حصّہ " **چاک دامانِ جنوں** " کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔



ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ڈاکٹر طارق انور باجوہ ضلع لائلپور (حال فیصل آباد) کے ایک گاؤں میں پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اپنے والدین کے ساتھ سندھ آ گئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۷۰ میں کیڈٹ کالج حسن ابدال چلے گئے جہاں سے ۱۹۷۵ میں ایف ایس سی کیا ۱۹۸۲ میں لیاقت میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کے بعد پاکستان فوج میں شمولیت کی۔ ۱۹۹۰ میں میجر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر لندن آ گئے یہاں سے سرجری کی ڈگری ایف آر سی ایس لینے کے بعد تین سال کے لئے وقف کر کے تنزانیہ مشرقی افریقہ میں بطور ڈاکٹر کام کیا۔ واپس آ کر جنرل پریکٹس کا شعبہ اختیار کیا۔ مسلم ٹیلیوژن احمدیہ پر ۱۳ سال بطور اردو نیوز پروڈیوسر اور نیوز پریزنٹر کام کیا۔ آج کل ریڈیو وائس آف اسلام یو کے سے منسلک ہیں۔ شاعری سے دلچسپی تو طالبِ علمی سے تھی لیکن باقاعدہ شاعری کا آغاز جون سنہ ۲۰۲۰ سے کیا۔ "**لبِّ لباب**" ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس کا غزلیات کا حصہ " **چاک دامانِ جنوں** " کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔